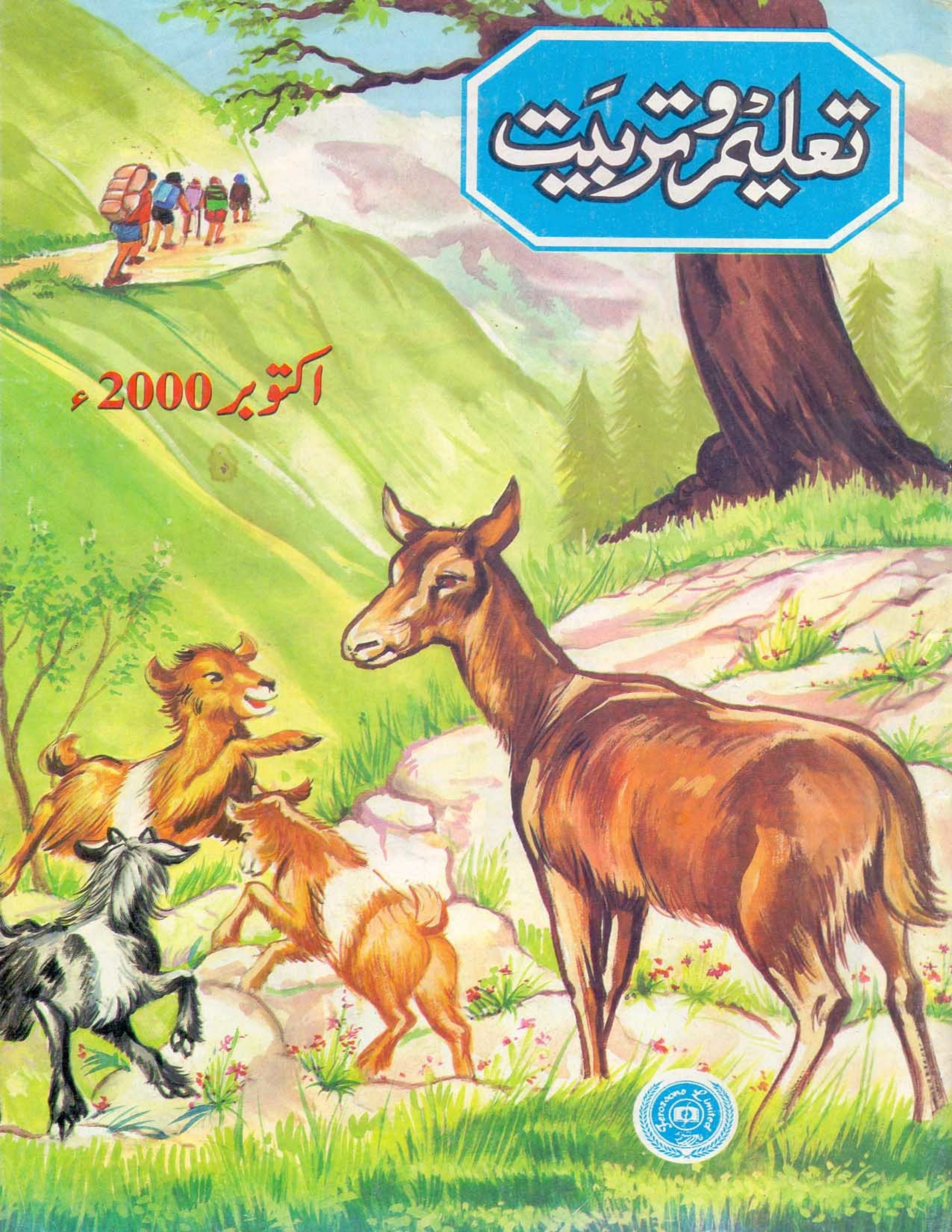
تعلیم و تربیت
اکتوبر 2000ء

عظیم سفر نامہ

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے تمام سفروں کے دل چسپ واقعات

پیغمبر اعظم ﷺ کے تاریخی سفر

ڈاکٹر عبدالرؤف

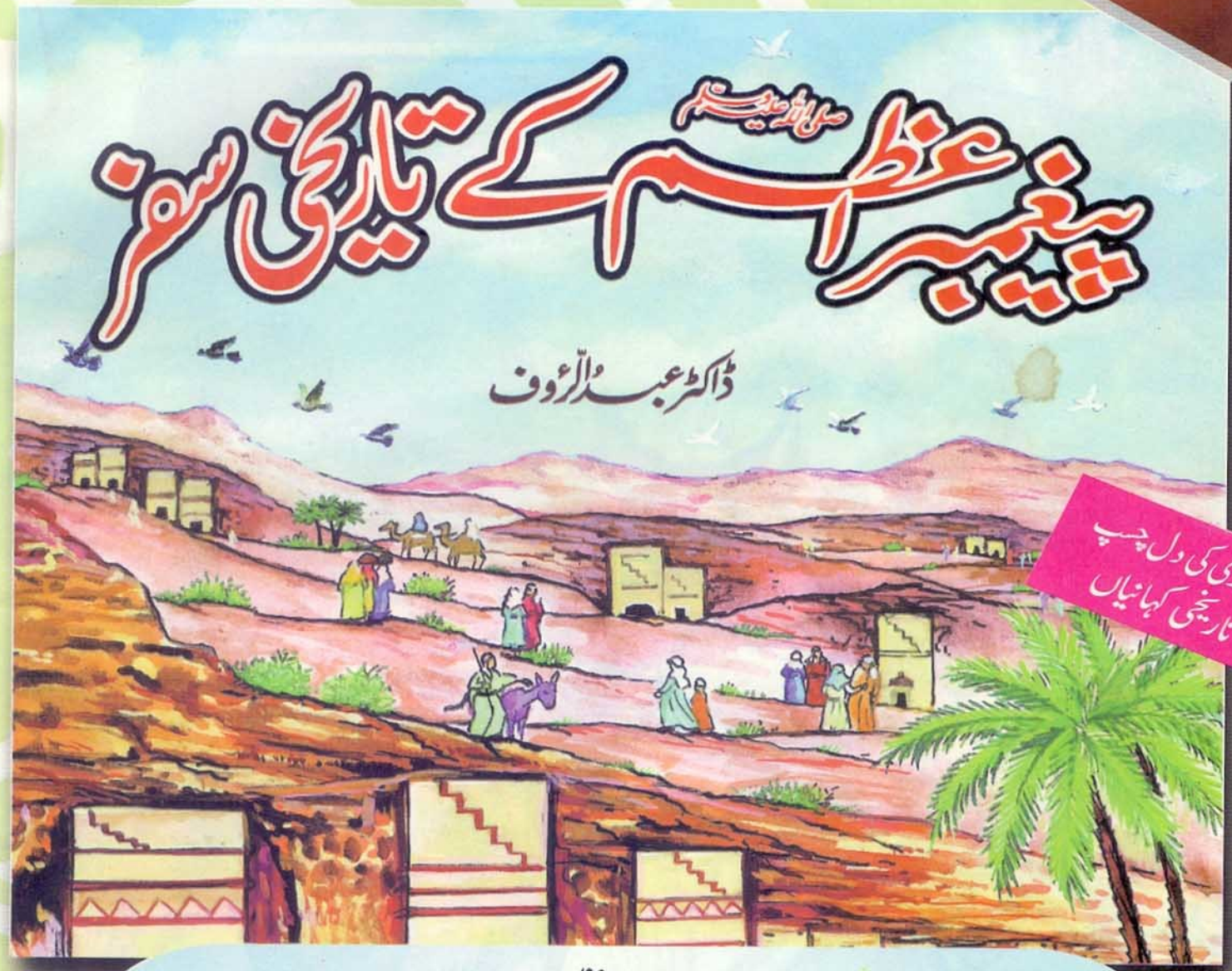

عہد نبوی کی دل چسپ
تاریخی کہانیاں

ایک انوکھے شاہکار میں تین عظیم موضوعوں کا خلاصہ:
(1) عظیم نبوی ﷺ سفر نامہ (2) سیرت طیبہ (3) دل چسپ نبوی ﷺ کہانیاں

متعدد رنگین، قیمتی اور نادر تصویروں سے آراستہ
کتاب کا عالمی انگریزی اڈیشن بھی تیار ہے۔

فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
لاہور راولپنڈی کراچی

چیف ایڈیٹر: عبدالسلام | ایڈیٹر پبلشر: ظہیر سلام | مشیر: سعید لخت | سینئر اسسٹنٹ ایڈیٹر: رضوان ثاقب | خصوصی مشیر: محمود حسن رومی | آرٹسٹ ڈیزائننگ: شوکت اعجاز | سرکولیشن اسسٹنٹ: محمد بشیر راہی

پاکستان میں سب سے زیادہ پڑھا جانے والا

تعلیم و تربیت

بچوں کا محبوب رسالہ

چاچو چاند ہوئے اغوا

اس مہینے چاچو چاند آپ کے محبوب رسالے سے غائب ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ گزشتہ دنوں اغوا ہو گئے تھے۔ وہ اغوا کیسے ہوئے اور اغوا کرنے والوں نے چاچو کا اور چاچو نے ان مجرموں کا کیا حشر کیا؟ آئندہ ماہ یہ ساری روداد ہنستی مسکراتی اور کھلکھلاتی کہانی کی صورت پڑھنا مت بھولیے گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ!

یہ اکتوبر کا مہینا ہے۔ اس مہینے کی 16 تاریخ کو شہید ملت لیاقت علی خان کی 49ویں برسی منائی جائے گی۔ آپ کو آج سے 49 سال پہلے 16 اکتوبر 1951ء کو راول پنڈی کے ایک جلسہ عام میں ایک بدبخت شخص نے گولی مار کر شہید کر دیا تھا۔ لیاقت علی خان پاکستان کے پہلے وزیر اعظم اور بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے قابل اعتماد ساتھی تھے۔

بہت سارے ساتھیوں کو یہ شکایت تھی کہ تعلیم و تربیت میں شائع ہونے والے انعامی مقابلوں کی آخری تاریخ اسی مہینے کی 7 تاریخ ہوتی ہے جب کہ رسالہ انہیں دیر سے ملتا ہے۔ اس لیے وہ ان انعامی مقابلوں میں حصہ نہیں لے پاتے۔ لیجئے ہم نے آپ کی یہ شکایت بھی اس ماہ سے دور کر دی ہے۔ آپ نے سالانہ چندہ جمع کروایا ہوا ہے یا ہاکر رسالہ آپ کے گھر دے کر جاتا ہے، دونوں صورتوں میں آپ کو یہ ہر ماہ پہلی تاریخ سے ایک آدھ روز پہلے مل جایا کرے گا..... اور اگر خدانخواستہ یہ آپ تک یکم تاریخ سے پہلے نہ پہنچے تو پریشان ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ آپ اپنے شہر کے کسی بھی اچھے بک اسٹال پر جائیں، وہاں آپ کا محبوب رسالہ موجود ہوگا۔ یوں اب ہر ماہ آپ اپنے دوستوں کو تعلیم و تربیت تحفے کے طور پر بھی دے سکتے ہیں اور اس میں شائع ہونے والے ڈھیروں انعامی مقابلوں میں بھی حصہ لے سکتے ہیں۔ اڈیٹر

اکتوبر 2000ء

سرورق: موٹو میمنا اور لوہا بھری پالک

قیمت فی پرچہ: 15 روپے

(رکن آل پاکستان نیوز پیپر سوسائٹی)

پرنٹر: عبدالسلام

مطبوعہ فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ لاہور

سرکولیشن اور اکاؤنٹس: 60 شاہراہ قائداعظم لاہور

اس شمارے میں

درس قرآن 2

روشن نام (سچی کہانی) سید نظر زیدی 3

قائد ملت (نظم) ضیاء الحسن ضیا 6

لاش کی چوری (کہانی) ذی شان ہاشمی 7

موٹو میمنا اور لوہا بھری پالک (کہانی) نجمہ معراج 14

وہ کون تھا؟ (سائنس فکشن) محسن ذکی کاظمی 17

حمی کیا ہے؟ (معلومات) ڈاکٹر رضوان ثاقب 22

پراسرار حمی (کہانی) فرحانہ پارس 24

دماغ لڑاؤ (علمی آزمائش) 33

کرکٹ کیا اور کیسے؟ (12) ابن الطاف 34

ڈکاری کی موت (کہانی) سلیم خان گمی 39

مجرم کون؟ 44

سانپ (جنگلی حیات) ڈاکٹر رضوان ثاقب 45

آپ کا خط ملا 49

راجا نے گھاس کھائی (کہانی) زبیدہ سلطانہ 52

آیئے مسکرائیں (لطائف) 54

آپ بھی لکھیے 55

کارٹون کہانی شاہد ریاض شاہد 60

یہ کر کے ہم دکھائیں گے (نظم) عبدالحفیظ ظفر 63

گڑھے میں لاش (قسط 6) اشتیاق احمد 64

باقی سب دل چسپ سلسلے حسب معمول

سالانہ قیمت: پاکستان میں (صرف رجسٹری کے ساتھ) = / 345 روپے

مشرق وسطیٰ افریقہ (ہوائی ڈاک سے) = / 690 روپے

یورپ (ہوائی ڈاک سے) = / 770 روپے

امریکا مشرق بعید (ہوائی ڈاک سے) = / 890 روپے

پتا: ماہنامہ تعلیم و تربیت 32 شارع بن بادیس، لاہور

فون: 6361310 - 6361309 - 6278816 - 6278815

بچوں کے لیے

درس قرآن

اللہ انسان کے ہر کام سے آگاہ ہے

ڈاکٹر عبدالرؤف

اس دفعہ بچوں کے لیے درس قرآن میں ہمارا موضوع ہے:

"اللہ تعالیٰ ہر انسان کے ہر کام سے آگاہ ہے"۔

قرآن حکیم میں کئی جگہوں پر اس موضوع کی عام فہم انداز میں وضاحت ہوئی ہے۔ مثلاً ملاحظہ فرمایئے پارہ نمبر 14 کی سورت نمبر 16 کی آیت نمبر 91 کے یہ آخری پانچ الفاظ

ان اللہ یعلم ما تفعلون

ترجمہ: تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے بلاشبہ جانتے ہیں۔

ہم جہاں کہیں بھی ہوں اور جو کچھ بھی کر رہے ہوں اللہ تعالیٰ ہماری ان تمام چھوٹی بڑی باتوں سے پوری طرح باخبر ہے۔ گھر ہو یا گلی بازار، مدرسہ ہو یا کھیل کا میدان کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں ہمارے ہر قول اور ہر فعل پر اللہ تعالیٰ کی نگاہ نہ ہو۔

کوئی چھوٹی بڑی لغزش کرتے وقت ممکن ہے کوئی دوسرا شخص آپ کی یہ بری حرکت نہ دیکھ رہا ہو اور یوں آپ سزا یا لوگوں کے ناگوار ردعمل سے بچ جائیں۔ مگر بھولئے مت کہ ایک عظیم تر ہستی کی نگاہ سے بچنا بالکل ناممکن ہے۔ اسے آپ کی ہر چھوٹی بڑی بات اور ہر نیک و بد حرکت کا پورا پورا علم ہے۔ آپ کے ذاتی روزنامچے میں ان سب کا پورا پورا اندراج ساتھ ساتھ ہوتا چلا جاتا ہے۔

بچو! اس لیے ضروری ہے کہ آپ یہ سنہرا اصول پلے باندھ لیں کہ کوئی شخص آپ کو دیکھے یا نہ دیکھے آپ بھلائی اور نیکی کے سیدھے راستوں سے ہرگز نہیں پھسلیں گے۔ آپ انسانوں کی پکڑ سے تو بچ سکتے ہیں مگر یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ نکلنا قطعی ناممکن ہے۔ اگر اس سنہری اصول کو زندگی کا رہنما بنا لیا جائے تو عمر بھر خوش و خرم اور کامیاب رہنا یقینی ہو جاتا ہے۔

روشن نام

سید نظر زیدی

بچے جس پاکستان کو اب دیکھ رہے ہیں اور خدا کے فضل سے جس کے وہ معزز شہری ہیں' دنیا کا ایک شان دار ملک ہے۔ اگرچہ اس کا رقبہ زیادہ نہیں لیکن اللہ نے اسے جو خاص نعمتیں دی ہیں وہ ایسی اور اتنی زیادہ ہیں کہ کم ملکوں کو حاصل ہوں گی۔ اس کے اونچے پہاڑ' ہرے بھرے میدان' دریا' جھیلیں' چشمے اور شہر اس کی خوب صورتی کو چار چاند لگا رہے ہیں۔ اللہ کی بخشی ہوئی ان نعمتوں نے اسے دنیا کا بہت خوب صورت ملک بنا دیا ہے۔

قدرتی خوب صورتی اور نعمتوں کی بہتات کے علاوہ ہمارے وطن پاکستان کی ایک شان اس کے محنتی اور قابل باشندوں کی وجہ سے بھی ہے۔ جنگ کا میدان ہو یا کھیل کا میدان' کھیتوں اور باغوں میں بہترین فصلیں اگانے کا معاملہ ہو یا کارخانوں میں اعلیٰ درجے کی چیزیں تیار کرنے کا' پاکستانی ہر جگہ اپنا لوہا منواتے ہیں۔ یہ ایک بالکل نیا ملک ہے اسے ہر کام نئے سرے سے شروع کرنا پڑا ہے لیکن پاکستانیوں کی قابلیت اور محنت نے اسے بہت پرانے ترقی یافتہ ملکوں کے برابر لا کھڑا کیا ہے' بلکہ بعض باتوں میں تو اس کا قد اور ملکوں سے اونچا لگتا ہے۔

جب یہ نیا نیا بنا تھا تو اس کے دشمن بہت اونچی آواز میں کہتے تھے کہ مسلمانوں نے پاکستان بنا تو لیا ہے لیکن یہ اسے قائم نہ رکھ سکیں گے۔ یہ زیادہ سے زیادہ دس سال باقی رہے گا۔ کہا جاتا ہے بھارت کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لعل نہرو نے تو شیخی میں آکر یہاں تک کہا تھا کہ پاکستانی پھر بھارت میں شامل ہونے کی درخواست کریں گے تو ہم صاف انکار کر دیں گے' لیکن آج باون برس بعد پاکستان نہ صرف باقی ہے بلکہ ایٹمی قوت بن چکا ہے۔ اس کی فوج دنیا کی بہترین فوج مانی جاتی ہے۔ اس کی تجارت پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ اس کی تیار کی ہوئی چیزیں شوق سے خریدی جاتی ہیں اور اس کے قابل بیٹوں کی ہر جگہ عزت ہوتی ہے۔

یہ آج 2000ء کے پاکستان کی بات ہے لیکن جب یہ قائم ہوا تھا تو اس کی یہ حالت نہ تھی۔ حضرت قائداعظمؒ کی قابلیت کے آگے بے بس ہو کر پاکستان بنانے کا مطالبہ مان تو لیا گیا تھا لیکن انگریزوں اور ہندوؤں نے آپس میں گٹھ جوڑ کر کے اس نئے ملک کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچایا تھا اور اسے کم زور کرنے کی کوشش کی تھی۔ انگریز جج ریڈ کلف نے کھلی بے ایمانی کر کے اس کے اہم علاقے بھارت کو دے دیئے تھے۔ بھارت کی حکومت نے وہ روپیہ اور فوجی سامان جو بٹوارے میں پاکستان کے حصے میں آیا تھا دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اور بہت ہی خوف ناک بات یہ کہ مشرقی پنجاب اور کئی دوسرے علاقوں میں فسادات شروع کر کے لاکھوں مسلمانوں کو اس حالت میں پاکستان میں دھکیل دیا تھا کہ نہ ان کے لیے سر چھپانے کا ٹھکانا تھا اور نہ کھانے پینے کا سامان۔ وہ اپنے عزیزوں رشتہ داروں سے بچھڑ گئے تھے اور ان کے بدن زخموں سے چور تھے۔

ان سب مشکلوں پر قابو پانا آسان کام نہ تھا اور شاید یہی اندازہ کر کے دشمنوں نے یہ بڑ ہانکی تھی کہ یہ ملک دس سال سے زیادہ قائم نہ رہ سکے گا۔ لیکن اللہ کے خاص کرم حضرت قائداعظمؒ کی بے مثال قابلیت اور اپنی محنت سے پاکستانیوں نے ان سب دشواریوں کو اپنے راستے سے ہٹا دیا تھا اور اس ملک کو جو اس وقت بس زمین کا ایک ٹکڑا تھا ایک شان دار ملک بنا دیا تھا۔

ایساشان دار کہ دنیا کی قومیں بھارت سے زیادہ اس کی عزت کرتی تھیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ پاکستان کے وزیر اعظم نواب زادہ لیاقت علی خان امریکا کے دورے پر گئے تو صدر امریکا نے ہوائی اڈے پر آکر ان کا استقبال کیا تھا۔

آج کے بچے یہ پڑھ کر ضرور حیران ہوں گے کہ جب پاکستان بنا تھا تو اس علاقے میں گنتی کے بس چند کارخانے ہی تھے۔ انگریزوں نے فوجی سامان اور دوسری چیزیں تیار کرنے والی فیکٹریاں ان علاقوں میں لگائی تھیں جو بھارت میں شامل ہوئے تھے۔ فوجی ہتھیاروں کا ایک بڑا ڈپو فیروز پور کے ایک ایسے علاقے میں تھا جو پاکستان میں شامل تھا۔ بے ایمان ریڈ کلف نے پاکستان کو اس ڈپو سے محروم کرنے کے لیے وہ علاقہ ہی بھارت کو دے دیا تھا۔ صرف اسی ایک بات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ پاکستان کو کم زور رکھنے کے لیے کیسی کیسی حرکتیں کی گئی تھیں۔ لیکن یہ ساری بے ایمانیاں اور سازشیں اس ہمت اور حوصلے کے سامنے بے بس ہو کر رہ گئی تھیں جو اس زمانے کے مسلمانوں کے دلوں میں جوش مار رہا تھا۔

یہ حوصلہ' یہ ہمت اور یہ بہادری کیسی بے مثال تھی' اس کا ایک واقعہ میں یہاں لکھتا ہوں۔ مغربی پنجاب کا دارالحکومت شہر لاہور بڑی سے بڑی بے ایمان کر کے بھی بھارت کو نہ دیا جا سکتا تھا لیکن ہندوؤں اور سکھوں نے اپنے طور پر یہ فیصلہ کیا تھا کہ اس تاریخی شہر پر لڑ کر قبضہ کر لیں گے۔ اس فیصلے کے مطابق انہوں نے بہت فوجی تیاری کی تھی۔ بہت بڑی تعداد میں ہتھیار جمع کیے تھے۔ ایسے احکام کار بہت بڑی تعداد میں یہاں اکٹھے کر دیئے تھے جنہوں نے باقاعدہ فوجی تربیت حاصل کی تھی۔ یہاں تک کہ ہندو سکھ عورتوں تک کو بندوق اور پستول چلانے کی تربیت دی تھی۔ چناں چہ اسی تیاری کی بنا پر وہ اپنی کام یابی کا پورا پورا یقین رکھتے تھے اور مسلمانوں پر حملے کرتے رہتے تھے۔

یہ پاکستان بننے سے کچھ دن پہلے کی بات ہے۔ اس زمانے میں لاہور کے محلے شاہ عالمی اور وچھو والی ہندوؤں کے گڑھ سمجھے جاتے تھے۔ ان کی حفاظت کا انہوں نے ایسا انتظام کیا تھا کہ ان کی اجازت کے بغیر چڑیا پر نہ مار سکتی تھی۔ کہا جاتا ہے ایک امیر ہندو نے جو تیل کا کاروبار کرتا تھا مسلمانوں کو چیلنج دیا تھا کہ ہمت ہے تو شاہ عالمی پر حملہ کر کے دکھاؤ!

ادھر مسلمان بھی ہندوؤں کے حملوں کا جواب تو دیتے تھے لیکن ان کی تیاری ویسی نہ تھی اس لیے ان کا نقصان زیادہ ہو رہا تھا۔ جس سے ہندوؤں اور سکھوں کے حوصلے بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ کبھی وہ کسی محلے پر شب خون مارتے تھے' یعنی رات کے وقت سوئے ہوئے مسلمانوں پر حملہ کرتے تھے اور کبھی مسجدوں میں نماز پڑھتے ہوئے مسلمانوں پر بم پھینک کر انہیں شہید کرتے تھے۔ انہی دنوں ایک سکھ نے ریلوے روڈ لاہور کے ایک بنک کی عمارت کی چھت پر چڑھ کر پرانی سبزی منڈی میں اس وقت بم پھینکا جب ہزاروں کی تعداد میں گاہک اور دکان دار کاروبار میں مصروف تھے۔ یہ منڈی چوک گوال منڈی کے قریب موچی دروازے کی طرف تھی۔ اس حملے سے مسلمانوں کا بہت زیادہ جانی نقصان ہوا لیکن اس کا یہ ایک فائدہ بھی ہوا کہ اسی حملے کے نتیجے میں سکھوں اور ہندوؤں کو لاہور شہر خالی کرنا پڑا۔

بھاری جانی نقصان نے مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کیا اور انہوں نے دشمنوں کے گڑھ شاہ عالمی کو تباہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ کام آسان نہ تھا' لیکن مسلمانوں کی روایات کے مطابق جب انہوں نے اس کو پورا کرنے کا پکا فیصلہ کر لیا تو آسان ہو گیا۔

چند مسلمان نوجوان سروں سے کفن باندھ کر اور مٹی کے تیل کے کنستر ہاتھوں میں تھام کر ایک زمین دوز نالے میں گھس کر شاہ عالمی میں داخل ہو گئے اور اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر کے دشمنوں کے اس قلعے کو راکھ کا ڈھیر بنا دیا اور یہ قلعہ تباہ ہوا تو ہندوؤں اور سکھوں کا حوصلہ ٹوٹ گیا۔ انہوں نے لاہور خالی کر دیا اور اس طرح فیصلہ ہو گیا کہ پاکستان ضرور قائم ہو گا اور ان شاء اللہ قیامت تک قائم رہے گا۔

یہ تاریخ کے کچھ بھولے بسرے واقعات ہیں جو میں نے اس خیال سے لکھے ہیں کہ اس زمانے کے مسلمان ان

قربانیوں کو یاد رکھیں جو غیرت مند اور بہادر مسلمانوں نے پاکستان بنانے کے لیے دی تھیں۔ کوئی ان نوجوانوں کے نام بھی نہیں جانتا جو سروں سے کفن باندھ کر زمین دوز نالے کے ذریعے شاہ عالمی میں داخل ہوئے تھے اور بہت طاقت ور دشمنوں کا غرور خاک میں ملا کر قیام پاکستان کو یقینی بنادیا تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ روشن نام انہی کے ہیں۔ ہم انہی کے صدقے اس عظیم ملک کے وارث بنے ہیں اور آزادی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ ہمارا فرض ہے نہ صرف انہیں یاد رکھیں، بلکہ ان کے طریقے پر چلتے ہوئے اپنی قوم اور اپنے وطن کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار رہیں۔

اس کے علاوہ ان واقعات سے ہمیں یہ سبق بھی ملتا ہے کہ جب کوئی قوم کوئی اچھا کام کرنے کے لیے پکا ارادہ کر لیتی ہے اور اس کے لیے پوری پوری کوشش بھی کرتی ہے تو اللہ اس کی مدد کرتا ہے۔ پاکستان کا قیام اور پھر ایک شان دار ملک کی حیثیت سے باقی رہنا اس کا ثبوت ہے۔ ہمارے بزرگ ایک اچھے مقصد کے لیے قربانیاں دینے کے لیے تیار ہو گئے تو اللہ پاک نے ان کے بہت طاقت ور دشمنوں کا زور توڑ کر ان کا ارمان پورا کر دیا۔

پاکستان قائم بھی ہو گیا اور ایک ایسا شان دار ملک بھی بن گیا جس کی پوری دنیا میں عزت کی جاتی ہے۔

آج اگر ہم اپنے آپ کو کچھ پریشانیوں میں گھرا ہوا پاتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ خود ہم ویسے بہادر، محنتی اور ایمان دار نہیں رہے جیسے ہمارے وہ بزرگ تھے جنہوں نے پاکستان بنایا تھا اور اسے ترقی دی تھی۔ ہم حضرت قائداعظمؒ کا نام تو بہت لیتے ہیں لیکن ان کے بتائے ہوئے اصولوں پر عمل نہیں کرتے۔ ان کے دشمن بھی یہ بات مانتے تھے کہ نہ انہیں خریدا جا سکتا ہے نہ سچائی کے راستے سے ہٹایا جا سکتا ہے۔ یہی تعلیم انہوں نے قوم کو دی تھی۔ اتحاد، تنظیم اور پکا یقین ان کا پیغام ہے۔ انہوں نے ہر قسم کی خود غرضی سے دور رہنے اور بھائیوں کی طرح مل کر رہنے پر زور دیا۔ ایمان دار رہنے کی تاکید کی۔ وطن کی خدمت کرنے کے لیے کہا۔ اس سلسلے میں ہم سے غلطی یہ ہوئی کہ ان اچھی باتوں پر عمل نہ کیا۔ پورے پاکستان سے محبت کرنے کی جگہ اپنے اپنے صوبوں اور علاقوں کی بھلائی کی باتیں کرنے لگے۔ اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ ہمارے دشمن ہمیں آپس میں لڑانے میں کام یاب ہو گئے اور مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن گیا اور اس کے علاوہ اور تکلیفیں بھی پہنچیں۔

اب ضروری ہے کہ ہم اپنے آپ کو سچا مسلمان اور سچا پاکستانی بنائیں۔ بالکل سیدھی سی بات ہے کہ ہمارے دین کا نام اسلام، ہمارا نام مسلمان اور ہمارے وطن کا نام پاکستان ہے۔ اپنی یہ اصلی پہچان چھوڑ کر خود کو پنجابی، سندھی، پٹھان یا بلوچستانی سمجھنا نری جہالت ہے۔ یہ بات پورے دعوے سے کہی جا سکتی ہے کہ اگر ہم جاہلوں اور احمقوں جیسی یہ باتیں کرنی چھوڑ دیں اور سچ مچ نیک اور شریف بن جائیں تو ہماری ساری مصیبتیں ختم ہو جائیں گی۔ ہم اور ہمارا ملک اور ترقی کرے گا اور ہمارے دشمنوں کو ہماری طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرات بھی نہ ہو گی۔ یہ بات آپ بچوں کو بھی ہر وقت یاد رکھنی چاہیے کہ جس آزاد وطن میں ہم عزت اور اطمینان سے رہ رہے ہیں بہت قربانیاں دے کر حاصل کیا گیا ہے اور ہم اپنے دین کے حکموں پر چل کر کے ہی اس کی حفاظت کر سکتے ہیں۔

قائدِ ملّت

ضیاالحسن ضیا

بہت با حوصلہ تھے قائد ملت
ہمارے رہنما تھے قائد ملت

سبق یہ دے گئے اپنی شہادت سے
کہ مرد با خدا تھے قائد ملت

گزاری زندگی صبر و قناعت سے
حقائق آشنا تھے قائد ملت

ارادوں میں کبھی ان کے نہ خم آیا
قوی بے انتہا تھے قائد ملت

خود اپنے خوں سے دھرتی کو جلا بخشی
بڑے صاحب سخا تھے قائد ملت

خدا فرمائے رحمت ان کی تربت پر
بتائیں کیا کہ کیا تھے قائد ملت

انہیں ملت ہمیشہ یاد رکھے گی
صداقت کی ضیا تھے قائد ملت

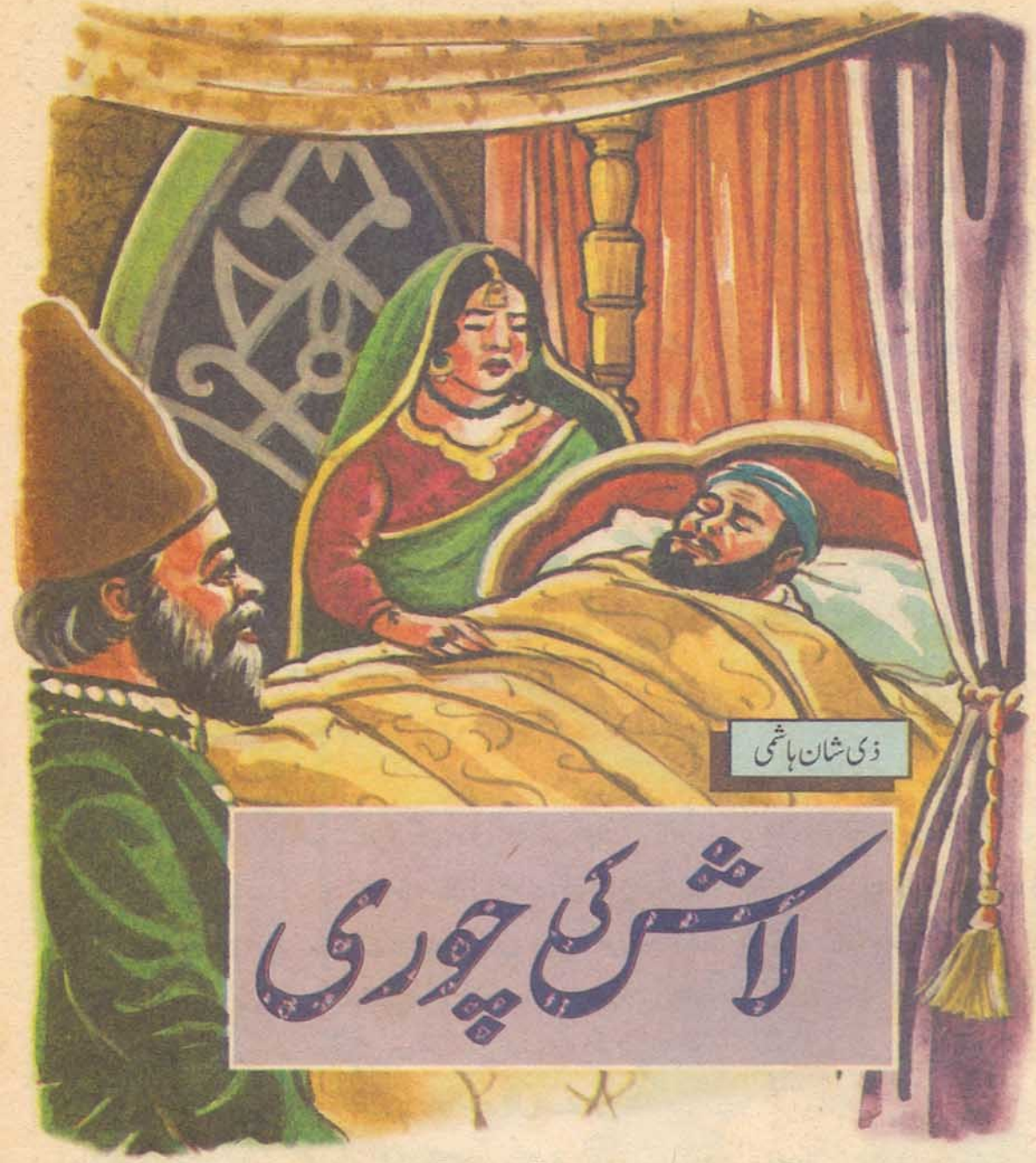

ذی شان ہاشمی

لاش کی چوری

بہت عرصہ ہوا ملک ایران پر ایک نیک دل بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ وہ بہت رحم دل اور خدا ترس انسان تھا۔ اتنی وسیع سلطنت کا حکم ران ہونے کے باوجود نہایت سادہ اور شریف النفس آدمی تھا۔ اسے اپنی رعایا سے بے پناہ محبت تھی۔ اس نے اپنے خزانے سے یتیموں اور بیواؤں کے لیے وظیفہ مقرر کر رکھا تھا۔ اس لیے اس کے عوام اس سے بہت محبت کرتے تھے۔ اس کی سلطنت بہت وسیع تھی۔ اتنی وسیع سلطنت کے معاملات کی انجام دہی ایک نہایت مشکل کام تھا۔ بادشاہ کی عمر بھی 70 سال سے زیادہ ہو چکی تھی اور صحت بھی دن بدن گرتی جا رہی تھی۔ اسے نہ صرف اپنی صحت کی فکر تھی بلکہ یہ امر بھی پریشان کیے ہوئے تھا کہ اس کے بعد اس کی سلطنت کا وارث کون ہو گا؟ کیوں کہ اس کی اپنی کوئی اولاد نہ تھی۔

اس پریشانی اور بیماری نے بادشاہ کو آہستہ آہستہ بستر مرگ پر لٹا دیا۔ ملکہ اور دوسرے درباری بھی اس وجہ سے بہت پریشان تھے۔ رعایا بھی اپنے محبوب بادشاہ کو بیمار دیکھ کر رنجیدہ تھی۔

"بادشاہ سلامت کی حالت دن بدن بگڑتی جا رہی ہے اور میں نہ صرف ان کی صحت کی وجہ سے پریشان ہوں بلکہ حکومت کے امور کی انجام دہی بھی میرے لیے مشکل کام ہے۔ بتاؤ ان حالات میں میں کیا کروں؟ میں صرف تمہیں ہی اپنا سچا وفادار سمجھتی ہوں"۔ ملکہ نے زیرک خان سے کہا۔ زیرک خان بادشاہ کا وزیر اعظم تھا۔ ملکہ نے اسے مشورے کے لیے طلب کیا تھا۔

"یہ تو آپ کی ذرہ نوازی ہے جو آپ نے مجھ ناچیز کو اس قابل سمجھا" زیرک خان نے ادب سے جھکتے ہوئے جواب دیا۔

"ملکہ عالیہ' بادشاہ سلامت کی حالت دیکھ کر تو اس بات کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے کہ کہیں ملک میں بغاوت نہ پھیل جائے۔ اس لیے اس صورت حال کا سدباب ضروری ہے"۔

زیرک خان کی بات ختم ہونے سے پہلے ہی ایک خادمہ

اندر داخل ہوئی اور جلدی سے بولی۔ ”ملکہ عالیہ‘ بادشاہ سلامت کی حالت بے حد خراب ہو گئی ہے اور وہ آپ کو یاد کر رہے ہیں“۔

ملکہ اور وزیر اعظم تیزی سے بادشاہ کی خواب گاہ میں آئے جہاں بادشاہ زندگی اور موت کی کش مکش میں مبتلا ان کا ہی انتظار کر رہا تھا۔ ساتھ ہی شاہی طبیب دوا پیس رہا تھا۔ ملکہ کی طرف دیکھ کر بادشاہ نے درد سے کراہتے ہوئے کہا۔ ”مجھے لگ رہا ہے میرا وقت آخر آن پہنچا ہے۔ میرے بعد زیرک خان کے مشورہ پر عمل کرنا۔ یہی میرا سچا وفادار ہے“۔

اتنا کہہ کر بادشاہ نے آخری ہچکی لی اور اس کی روح پرواز کر گئی۔ ملکہ نے رونا شروع کر دیا۔ زیرک خان کے چہرے کا رنگ زرد ہو گیا۔ حکومت کی سب ذمہ داری ملکہ کے سر پر آن پڑی تھی لیکن دراصل یہ ساری ذمہ داریاں زیرک خان کو پوری کرنا تھیں۔ زیرک خان نے ملکہ سے کہا۔ ”جان کی امان پاؤں تو کچھ عرض کروں“

”اجازت ہے“ ملکہ نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

”ہمیں چاہیے کہ بادشاہ سلامت کی موت کی خبر چھپائے رکھیں اور آج ہی ملک کے دس بڑے شہروں کے حاکموں کو خط لکھیں اور انہیں کہیں کہ وہ اپنے اپنے شہر کا سب سے بہادر ذہین اور وفادار نوجوان آپ کی خدمت میں حاضر کریں اور ہم ان نوجوانوں کا امتحان لیں جو امتحان میں پورا اترے حکومت اس کے سپرد کر دی جائے۔ کیوں کہ آپ عورت ذات ہیں اور مجھے یہ خطرہ ہے کہ کہیں ملک ہی ہاتھ سے نہ نکل جائے“۔

”لیکن ایک بات اور ہے“ زیرک خان نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ”ان خطوط میں بادشاہ سلامت کی موت کا ذکر نہ کیا جائے اور نہ ہی نوجوانوں کو بلوانے کا مقصد بیان کیا جائے بلکہ یوں لکھا جائے کہ آپ اپنے ملک کے ذہین اور بہادر لوگوں کو اپنے خاص درباریوں میں شامل کرنا چاہتی ہیں“۔

ملکہ کو زیرک خان کا مشورہ پسند آیا۔ وہ وہاں موجود دونوں خادماؤں اور طبیب کی طرف متوجہ ہو کر بولیں ”بادشاہ سلامت کی موت کا ذکر کسی سے مت کرنا۔ اگر یہ خبر باہر نکلی تو تم سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا“۔

پھر بادشاہ کی لاش کو محفوظ کرنے کے لیے شہد کا انتظام کیا گیا۔ شاہی طبیب نے اس کے ذریعے خاص طریقے سے چند روز کے لیے بادشاہ کی لاش کو محفوظ کر لیا‘ ملکہ کے حکم سے زیرک خان نے ملک کے دس بڑے شہروں کے حاکموں کے نام خط لکھوائے اور اپنے ایلچی ہر شہر کی طرف روانہ کر دیئے۔ حکم کی فوراً تعمیل ہوئی اور ہر حاکم نے اپنے اپنے شہر کا سب سے بہادر اور ذہین نوجوان منتخب کر کے دارالحکومت کی طرف روانہ کر دیا۔

شاہی محل میں ان نوجوانوں کے رہنے کے لیے خاص انتظام کیا گیا اور تمام ملازموں سے کہہ دیا گیا تھا کہ ان مہمانوں کی خاطر میں کوئی کمی نہیں آنی چاہیے۔

امتحان کے لیے جمعہ کا مبارک دن منتخب کیا گیا تھا۔ مقررہ دن تمام نوجوانوں کو بڑے سے میدان میں پورے شاہی اعزاز کے ساتھ لایا گیا۔ ہزاروں تماشائی ان نوجوانوں کی بہادری کا مظاہرہ دیکھنے کے لیے میدان میں جمع تھے۔ یونہی ملکہ اپنی نشست پر براجمان ہوئی تو ایک شخص اچانک حاضرین میں سے اٹھ کر ملکہ کے سامنے آ کھڑا ہوا اور آداب بجا لا کر بولا۔ ”گستاخی معاف ملکہ عالیہ‘ اگرچہ میں اس مقابلے میں شریک نہیں ہوں لیکن میں دعویٰ کرتا ہوں کہ اس مقابلے میں شریک کوئی بھی نوجوان میرا سامنا نہیں کر سکتا۔ میں چیلنج کرتا ہوں جس کا جی چاہتا ہے میرا مقابلہ کرے۔ اگر میں اس دعویٰ میں جھوٹا نکلا تو اپنا سر کٹوا دوں گا لیکن اگر کامیاب ہو گیا تو آپ پر لازم ہو گا کہ آپ مجھے اپنے خاص درباریوں میں شامل کر لیں“۔

اس کی بات سن کر مجمعے کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ ملکہ نے زیرک خان کی طرف دیکھا اور بولی۔

”تمہارا کیا خیال ہے زیرک خان“۔

”اگر اسے اپنی بہادری پر اتنا ناز ہے تو اسے موقع ملنا چاہیے“۔

”اجازت ہے۔ تمہارا مقابلہ ایک ایک کر کے ہر نوجوان

سے کرلیا جائے گا۔ اگر تم سب سے جیت گئے تو نہ صرف تمہیں درباریوں میں شامل کر لیا جائے گا بلکہ انعام واکرام سے بھی نوازا جائے گا"۔

اس کے بعد پہلے نوجوان کو اس شخص کے مقابلے میں لایا گیا۔ کچھ دیر دونوں میں تلوار سے مقابلہ ہوتا رہا۔ کبھی وہ شخص نوجوان کو دھکیلتا ہوا میدان کے دوسرے کونے میں لے جاتا اور کبھی نوجوان اس شخص پر غالب آجاتا۔ سارے مجمعے پر خاموشی طاری تھی۔ صرف تلواروں کی جھنکار کی آواز ہی فضا میں گونج رہی تھی۔ ہر شخص بہت غور سے ان دونوں کے درمیان ہونے والے مقابلے کو دیکھ رہا تھا۔ دونوں نوجوانوں کی بہادری دیکھتے ہوئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ کون دوسرے پر سبقت لے جائے گا۔ کافی دیر دونوں میں تلوار سے مقابلہ ہوتا رہا لیکن جب کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تو یہ طے پایا کہ جو کوئی دوسرے شخص کو اپنے مضبوط بازوؤں میں اٹھا کر فضا میں بلند کرے گا وہ فتح یاب قرار پائے گا۔

اب دونوں میں نئے سرے سے زور آزمائی شروع ہوئی۔ وہاں موجود تماشائیوں میں جوش کی نئی لہر دوڑ گئی۔ پہلے اس شخص نے ایڑی سے چوٹی تک کوشش کی کہ نوجوان کو زمین سے اٹھائے لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوا اور پھر نعرہ تکبیر لگا کر نوجوان نے اس شخص کو اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا۔ یوں وہ نوجوان فتح مند ہوا۔ ملکہ کے سپاہیوں نے فوراً آگے بڑھ کر اس شخص کو پکڑ لیا تاکہ اس کے دعویٰ میں جھوٹا ہونے پر وہ سزا دی جائے جو اس نے خود پسند کی تھی لیکن زیرک خان نے ملکہ سے التجا کی کہ اس شخص کو بخش دیا جائے۔ ملکہ نے اک نظر زیرک خان کی طرف دیکھا اور پھر اس فتح مند نوجوان سے مخاطب ہوئی۔

"تمہارا نام کیا ہے"

"عالم افروز" نوجوان نے کہا۔

محل میں واپس آکر زیرک خان نے ملکہ سے کہا "اب نوجوان عالم افروز کی وفاداری کا امتحان اسے لالچ دے کر لیں گے۔ اگر وہ وفادار ہوا تو لالچ میں نہیں آئے گا"

"بہت خوب زیرک خان، تم واقعی ذہین ہو"۔

"یہ تو آپ کی بندہ پروری ہے" وزیر اعظم نے جواب دیا۔

اس کے بعد زیرک خان عالم افروز کی خواب گاہ میں پہنچا جہاں عالم افروز گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

"تم ضرور یہ سوچ رہے ہو گے کہ دربار میں اہم مقام حاصل کرنے کے لیے نہ جانے اور کون کون سے امتحانوں سے گزرنا پڑے گا"۔

زیرک خان کی بات پر عالم افروز نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تم جانتے ہو بادشاہ سلامت بیمار ہیں اور چند دن کے مہمان ہیں۔ مجھے تم میں وہ ساری خوبیاں نظر آ رہی ہیں جو ایک بادشاہ میں ہونی چاہئیں۔ میں تمہیں اس کے لیے ایک آسان راستہ بتاتا ہوں"۔ زیرک خان بول رہا تھا اور عالم افروز حیرانی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"بھئی اس میں حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں وزیر اعظم ہوں تمہیں میری طاقت کا اندازہ نہیں۔ ابھی اسی وقت تمہیں اتنی فوجی طاقت مہیا کر سکتا ہوں جس سے تم آسانی سے شاہی فوج کو شکست دے کر تخت پر قبضہ کر سکتے ہو"۔

یہ سنتے ہی عالم افروز غصے میں اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا "میں آپ کی بہت عزت کرتا تھا اور آپ کو بہت وفادار شخص سمجھتا تھا لیکن آج آپ کا اصل چہرہ دیکھ کر بہت افسوس ہو رہا ہے۔ ایسا خیال آپ کے دماغ میں آیا کیسے؟ میں تو غداری کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا"۔

یہ سن کر زیرک خان ہنسا۔ "بہت خوب نوجوان، تم اس امتحان میں بھی کام یاب ہوئے۔ میں تو تمہاری وفاداری کو پرکھنے کے لیے ملکہ عالیہ کے حکم سے آیا تھا"۔

عالم افروز یہ سن کر بہت خوش ہوا اور اس پر خدا کا شکر ادا کیا جس نے اس کے دل میں لالچ نہ آنے دیا۔

ملکہ کا خیال تھا کہ اب نوجوان کی ذہانت کا امتحان لے کر جلد از جلد حکومت اس کے سپرد کر دی جائے۔ کیوں کہ ڈر تھا کہ کہیں بادشاہ کی موت کی خبر نہ پھیل جائے۔ اس لیے ملکہ نے زیرک خان کو بتایا کہ اب جلد از جلد عالم افروز کا آخری آمتحان بھی ہو جانا چاہیے۔ دوسرے دن مقررہ وقت پر دربار لگایا گیا۔ بہت سے لوگ عالم افروز کی ذہانت کا امتحان دیکھنے کے لیے دربار میں جمع تھے۔ آج کا امتحان سب سے مشکل اور دل چسپ تھا کیوں کہ عالم افروز کی طاقت نہیں بلکہ ذہانت کا امتحان تھا۔ سوالات کا سلسلہ شروع کرنے سے پہلے زیرک خان نے نوجوان کی سمت دیکھا اور بولا۔ "یہ تمہارا آخری امتحان ہے۔ اس میں تمہاری ذہانت کو جانچنے کے لیے تین سوال کیے جائیں گے اور امید ہے کہ تم ضرور سولات کے جواب دے دو گے۔ میرا تم سے پہلا سوال یہ ہے۔

"وہ کون سی چیز ہے جسے خدا نہیں دیکھتا"

زیرک خان کے پہلے سوال نے ہی دربار میں کھلبلی مچا دی۔ لوگ حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے اور آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے کہ ایسا کیسے ممکن ہے کہ اللہ کسی چیز کو نہ دیکھ سکے۔ ابھی لوگوں میں یہ سرگوشیاں جاری ہی تھیں کہ ایک شخص اپنی نشست سے اٹھا اور بڑے جوش سے بولا۔ "حد ادب وزیر اعظم! تمہیں یہ حق حاصل نہیں کہ اللہ کے بارے میں ایسی کفر کی باتیں کرو"۔

اس شخص کے بولنے پر سارے دربار پر سناٹا چھا گیا۔ اس سے پہلے کہ زیرک خان کچھ کہتا عالم افروز نے اس شخص کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور پھر زیرک خان کی طرف دیکھ کر بولا۔ "خدا ایسی جلیل القدر ذات ہے کہ وہ ہر ظاہر و پوشیدہ ہر چیز کو دیکھ سکتی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ہاں مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ ایک چیز کو نہیں دیکھتا، وہ ہے "خواب" اور قرآن مجید میں ہے کہ "نہ اسے اونگھ آتی ہے نہ نیند" تو اس صورت میں وہ خوب کیسے دیکھے گا؟"

دربار میں موجود تمام لوگ جو پہلے اس سوال کو شک کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے نوجوان کے جواب پر سب مطمئن ہو گئے اور بے اختیار داد دینے پر مجبور ہو گئے۔

زیرک خان نے دوسرا سوال نوجوان کے آگے رکھا۔

"ہمیں آب حیات کی تلاش میں کہاں جانا چاہیے؟"

سوال سن کر عالم افروز گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ دربار میں موجود ہر شخص جواب کا منتظر تھا۔ آخر کچھ دیر بعد عالم افروز کی آواز بلند ہوئی۔ "آپ کیا سمجھتے ہیں آب حیات کیا ہے، یقیناً سب یہی کہیں گے کہ یہ ایک خاص پانی کا نام ہے جسے پی کر

انسان ہمیشہ کے لیے زندہ رہ سکتا ہے' میرے خیال میں ہمیں ایسے آب حیات کی تلاش میں جہاد کو جانا چاہیے کیوں کہ اگر انسان اللہ کی راہ میں لڑتے ہوئے مر جائے تو وہ مردہ نہیں کہلاتا بلکہ وہ زندہ ہوتا ہے اور اپنے رب کے ہاں سے رزق پاتا ہے"۔

اس مشکل ترین سوال کے جواب پر سب اش اش کر اٹھے۔

زیرک خان نے بھی تعریفی نظروں سے نوجوان کو دیکھا۔ ملکہ عالیہ کی نظروں میں بھی نوجوان کے لیے تعریف تھی۔

"نوجوان آخری سوال کا جواب دینے کے لیے تیار ہو جاؤ' اور وہ یہ ہے کہ وہ کون سی چیز ہے جو وقت کی قید سے آزاد ہوتی ہے"۔

عالم افروز نے بہت غور سے سوال کو سنا اور پھر سر جھکا کر سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر کے لیے دربار میں پھر خاموشی چھا گئی اور پھر کچھ دیر بعد عالم افروز کی آواز نے اس خاموشی کو توڑا۔

"سوچ' سوائے سوچ کے وقت ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے"۔

عالم افروز کی ذہانت اور حاضر جوابی پر ہر شخص اسے داد دے رہا تھا۔ ملکہ عالیہ اور زیرک خان کے چہروں پر بھی خوشی کے تاثرات تھے۔ عالم افروز تینوں امتحانوں میں کامیاب ہو چکا تھا اور ملکہ اس کی تخت نشینی کا اعلان ٹھیک دو دن بعد کرنے والی تھی جس کا علم ملکہ اور زیرک خان کے علاوہ کسی کو نہیں تھا۔ اسی رات ملکہ کو ایک خفیہ چٹھی ملی جسے پڑھ کر ملکہ پریشان ہو گئی۔ خط کی تحریر کچھ یوں تھی۔

"ملکہ عالیہ! عالم افروز کی تخت نشینی کو وقتی طور پر ملتوی کر دیں ورنہ اس کی جان کو خطرہ ہو سکتا ہے..... اور دوسری بات یہ کہ آپ شاید درباری امور میں کچھ زیادہ ہی مصروف ہو گئی ہیں جو تہ خانے کا رخ نہیں کیا جہاں بادشاہ سلامت کی لاش کو محفوظ کیا گیا تھا" آپ کا ایک خیر خواہ"

ملکہ نے فوراً زیرک خان کو طلب کیا۔ خط پڑھ کر زیرک خان بھی بہت پریشان ہوا۔

"زیرک خان ہمیں فوراً تہ خانے میں لے چلو" ملکہ کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمایاں تھے کہ اتنا اہم راز محل کی آہنی دیواروں سے باہر گیا تو گیا کیسے۔

زیرک خان ملکہ کو لے کر تہ خانے میں پہنچا جہاں بادشاہ کی لاش کو محفوظ کیا گیا تھا۔

"زیرک خان تابوت کا ڈھکن ایک طرف سرکاؤ"۔

زیرک خان' نے حکم کی تعمیل کی اور پتھر سے بنے ہوئے تابوت کا ڈھکن ایک طرف سرکایا۔ لیکن یہ کیا! تابوت تو خالی تھا۔ وزیر اعظم اور ملکہ حیرت کے عالم میں کھڑے تھے۔

"زیرک خان' جلد از جلد کوئی تدبیر کرو ورنہ ہم عوام کو کیا جواب دیں گے اور ہاں....." تہ خانے سے باہر آتے ہوئے وہ حکم صادر کر رہی تھیں۔ "..... عالم افروز کو اپنے خاص سپاہیوں کی نگرانی

میں رکھو' اسے کوئی نقصان نہیں پہنچنا چاہیے"۔

ملکہ کے حکم سے اسی رات عالم افروز کی خواب گاہ کو زیرک خان نے اپنے خاص سپاہیوں کی نگرانی میں دے دیا اور عالم افروز کو بھی سمجھا دیا گیا کہ محتاط رہے' اس کی جان کو خطرہ ہے۔ لیکن اس رات جب اچانک اس کی آنکھ کھلی تو اس نے اپنی خواب گاہ کے باہر کچھ شور سنا۔ اٹھ کر دیکھا تو اس کے محافظ ایک نقاب پوش کے ساتھ لڑ رہے تھے۔ اس کے دیکھتے ہی اس نقاب پوش نے تینوں محافظ مار گرائے۔ تب عالم افروز اپنی تلوار اٹھائے نقاب پوش کی طرف بڑھا۔

"رک جاؤ عالم افروز" نقاب کے اندر سے ایک نسوانی آواز ابھری۔

"کون ہو تم اور مجھے کیسے جانتی ہو؟" عالم افروز تلوار ہاتھ میں پکڑے حیرت سے بولا۔

"میں تمہاری ایک خیر خواہ ہوں"

"بہت خوب" اس کے جواب پر وہ ہنس دیا۔

"اگر تم میری خیر خواہ ہو تو پھر پوچھ سکتا ہوں کہ تم نے میرے ہی محافظ کیوں مار دیئے"

"انہیں تمہاری حفاظت کے لیے نہیں بلکہ موقع پا کر تمہیں قتل کرنے کے لیے مقرر کیا گیا تھا"۔

اجنبی لڑکی کی بات پر عالم افروز سوچ میں پڑ گیا کہ یہ کیا قصہ ہے۔

"یہ وقت سوچنے کا نہیں۔ یہاں رکنا اب تمہارے لیے خطرے سے خالی نہیں اس لیے میرے ساتھ آؤ"۔

نجانے کیوں عالم افروز کو اس اجنبی لڑکی کی باتوں میں سچائی نظر آ رہی تھی۔ وہ کسی آنے والے خطرے کو محسوس کرتے ہوئے۔ اس کے ساتھ چلتا ہوا محل سے باہر آیا۔ یہاں ایک شخص تین گھوڑوں کے ساتھ ان کا انتظار کر رہا تھا۔

پھر گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے وہ لوگ بہت دور نکل آئے۔ دور کہیں ویرانے میں موذن کی آواز گونجی تو انہوں نے ندی کے کنارے گھوڑے کھڑے کیے اور فجر کی نماز ادا کی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد عالم افروز بڑے سے پتھر پر جا بیٹھا اور کچھ سوچنے لگا۔

"پریشان نہ ہو عالم افروز' خدا پر بھروسہ رکھو۔ جس نے اب تک تمہاری مدد کی ہے وہ آئندہ بھی تمہیں فتح مند کرے گا"۔

وہ اجنبی لڑکی سیاہ دوپٹے سے منہ اور سر لپیٹے اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"مجھے مارنے کا منصوبہ کس کا ہو سکتا ہے؟" وہ جاننا چاہتا تھا کہ اس کا دشمن کون ہے اور وہ ایسا کیوں چاہتا ہے۔

"اگر میں کہوں کہ زیرک خان تمہارا سب سے بڑا دشمن

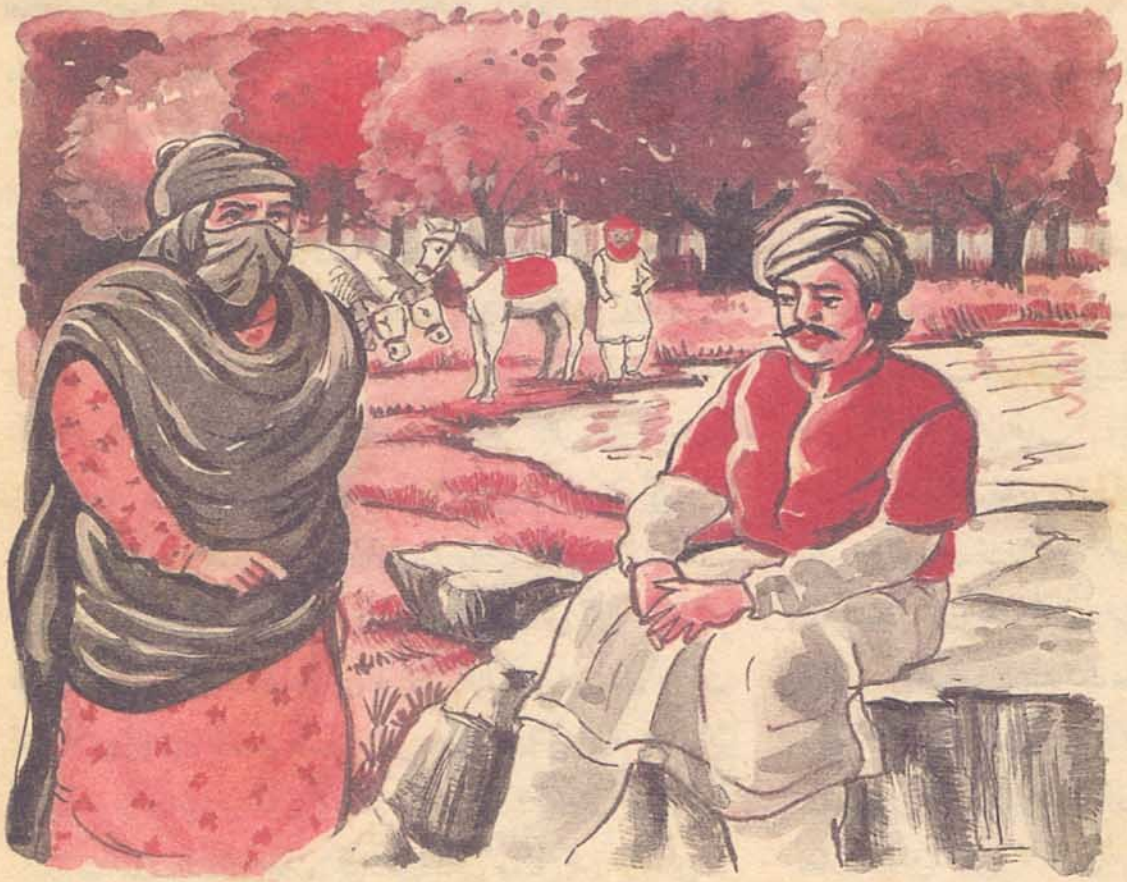

ہے تو!"

اس نے حیرت کے عالم میں اجنبی لڑکی کی طرف دیکھا۔ "زیرک خان؟ وہ بھلا ایسا کیوں کرے گا؟ وہ مجھے کیوں مارنا چاہے گا؟"

"میرا نام باسلہ ہے۔ میں سپہ سالار مرزا شمس کی بیٹی ہوں جسے زیرک خان نے صرف اس لیے مروادیا کہ وہ اس کے منصوبے سے آگاہ ہو گیا تھا۔ بادشاہ سلامت کی لاش بھی اسی نے چوری کروائی ہے۔ میں اپنے جاسوسوں کے ذریعے اس کی ہر وقت نگرانی کرواتی ہوں۔ یہ بھی میرے جاسوسوں نے ہی مجھے بتایا ہے کہ اس نے بادشاہ سلامت کی لاش چوری کروائی ہے"۔

"بادشاہ سلامت کی لاش؟" عالم افروز نے حیرت سے کہا۔

"ہاں بادشاہ سلامت کی لاش' کیوں کہ بادشاہ سلامت کی موت کے بعد ہی یہ کھیل شروع ہوا تھا۔ اب ہمیں جلد از جلد ان کی لاش کو دوبارہ محل میں پہنچانا ہو گا کیوں کہ اگر تمہاری تخت نشینی سے پہلے ہی ان کی موت کی خبر پھیل گئی تو باغی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے" باسلہ نے کہا۔

"لیکن ملکہ عالیہ تو زیرک خان کو اپنا سب سے بڑا خیر خواہ سمجھتی ہیں۔ وہ اس کی مکاری کا یقین کیسے کریں گی؟"

عالم افروز کا سوچنا بھی درست تھا لیکن اس وقت باسلہ کو اس غار تک پہنچنے کی جلدی تھی جس کے بارے میں اس کے جاسوسوں نے اسے اطلاع دی تھی کہ زیرک خان نے بادشاہ کی لاش وہاں رکھی ہے۔ جنگل میں کافی دیر بھٹکنے کے بعد انہیں وہ جگہ مل گئی لیکن اب وہ باہر کھڑے سوچ رہے تھے کہ غار کے اندر کیسے داخل ہوں۔ آخر کار عالم افروز نے باسلہ کو جھاڑیوں کی طرف بھیجا جو غار کے دائیں جانب تھیں اور کہا کہ جب وہ اشارہ کرے تو وہ شور ڈالنا شروع کر دے۔ چناں چہ ایسے ہی ہوا۔ باسلہ کا شور سن کر غار کے دہانے پر جو محافظ کھڑے تھے وہ جھاڑیوں کی طرف بڑھے۔ اس طرح موقع پا کر عالم افروز اور گھڑ سوار اندر چلے گئے۔ اندر بادشاہ سلامت کی لاش کے پاس ایک شخص کھڑا تھا اور اس کے ساتھ دو شخص بادشاہ کی لاش پر پہرہ دے رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر وہ تینوں تلوار سنبھال کر آگے بڑھے اور پھر ان کے درمیان لڑائی شروع ہو گئی۔ پھر دو سپاہیوں کو مارنے کے بعد انہوں نے تیسرے سپاہی کو گرفتار کر لیا اور اسے باندھ دیا۔

ادھر دوسری طرف باسلہ پر ان دو مردوں نے حملہ کر دیا جو شور سن کر جھاڑیوں کی طرف آئے تھے لیکن اس بہادر لڑکی نے مہارت سے ان کے واروں کو روکا اور جوابی حملہ کیا۔ وہ ایک عورت ہو کر بہت بہادری سے ان دو مردوں کا مقابلہ کر رہی تھی۔ پھر اس نے یکے بعد دیگرے دونوں کو مار گرایا اور غار کے سامنے آ گئی۔ اتنے میں عالم افروز اور دوسرا گھڑ سوار اس شخص کو رسیوں سے باندھے اور اس تابوت کو لیے باہر نکلے جس میں بادشاہ کی لاش تھی۔

پھر جب دربار میں زیرک خان کی غداری کا بھید کھلا تو ملکہ کے ساتھ ساتھ ہر شخص حیران تھا لیکن ثبوت کے طور پر بادشاہ کی لاش موجود تھی۔ زیرک خان نے بھی اپنے جرم کا اقرار کر لیا اور اس نے کہا کہ شروع میں اس کی نیت صاف تھی لیکن جب ملکہ نے اس پر حد سے زیادہ اعتماد کرنا شروع کر دیا تو اس کے دل میں لالچ پیدا ہو گیا۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ تہ خانے سے بادشاہ کی لاش بھی اسی نے غائب کروائی تھی اور عالم افروز کو راستے سے ہٹانے کا منصوبہ بھی اسی کا تھا تاکہ اس کے مرنے کے بعد ملکہ عالیہ اس کی خدمات کے صلے میں اسے حکومت بخش دیں۔

زیرک خان کے اعتراف جرم کے ساتھ ہی ملکہ عالیہ نے اس غدار وزیر اعظم کو تمام عمر کے لیے آہنی سلاخوں کے پیچھے بند کروادیا تاکہ آئندہ کسی کو ایسا سوچنے کی بھی جرات نہ ہو۔ پھر عالم افروز کی تخت نشینی کا اسی وقت اعلان کر دیا۔ اس کے بعد بادشاہ سلامت کو پورے شاہی اعزاز کے ساتھ سپرد خاک کیا گیا۔ دوسرے دن ملکہ نے سپہ سالار مرزا شمس کی بہادر بیٹی باسلہ کی شادی عالم افروز سے کر دی جس کی مدد سے عالم افروز جیسا ہزاروں خوبیوں کا مالک بادشاہ عوام کو ملا تھا۔

* * *

موٹو میمنا اور لوہا بھری پالک

نجمہ معراج

بچوں کے ماموں جب گھر آئے تو بچے کھانے کی میز پر بیٹھے ہوئے تھے مگر سب نے منہ بسورے ہوئے تھے۔ کوئی بھی سالن پلیٹ میں نہیں نکال رہا تھا۔ پہلے تو بچے ماموں جان کے آنے پر وہ بہت خوش ہوے تھے۔ چھوٹے بچے اچھل اچھل کر ”ماموں جی آئے‘ ماموں جی آئے“ کہتے اور ان کے ساتھ چمٹ جاتے تھے مگر آج بچے یوں بیٹھے ہوئے تھے جیسے ان کا کھانا کھانے کو جی ہی نہیں چاہ رہا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آج ان کی امی نے پھر آلو پالک کا بھرتا بنالیا تھا۔

ماموں خلیل نے سلام دعا کے بعد ہاتھ دھوئے اور بچوں کے ساتھ کھانے کی میز پر بیٹھ گئے۔ خلیل صاحب کی بہن کچھ اور روٹیاں پکانے کے لیے چلی گئی۔

”آج کی کہانی کا موضوع ہے‘ ایک بکری اور تین میمنے“ خلیل صاحب نے حالات کی نزاکت کا جائزہ لیا اور کھانے کی میز پر ہی کہانی شروع کر دی۔

”خلیل بھائی! بچوں کو کھانا تو کھا لینے دو۔ تمہاری کہانی سنتے ہوئے بچے کھانا پینا اور سونا ہی بھول جاتے ہیں اور تم ہو کہ انہیں وقت بے وقت کہانیاں سناتے رہتے ہو“۔ خلیل صاحب کی بہن نے کہا مگر خلیل صاحب نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی کہانی جاری رکھی۔

”بکری اور تینوں میمنے ایک پہاڑی کے قریب ہری بھری چراگاہ میں رہتے تھے۔ یہ میمنے کچھ تو اپنی ماں کا دودھ پیتے اور باقی ماندہ نرم نرم گھاس کو منہ مار کے اپنی بھوک مٹا لیتے۔

ایک رات پہاڑی کی چوٹی پر ساری رات انسانی آوازیں آتی رہیں۔ بکری تو انسانی آوازوں سے پہلے بھی آشنا تھی لیکن میمنوں نے یہ آوازیں پہلی بار سنی تھیں۔ بکری ساری رات ڈرتی رہی کہ کہیں یہ لوگ انہیں شکار ہی نہ کر لیں۔ ماں کو ڈرا سہما دیکھ کر میمنے بھی ساری رات سہمے ہوئے ماں کے پاس بیٹھے رہے۔ کوئی بھی آواز نہیں نکال رہا تھا۔ خوف کے مارے وہ سانس بھی آہستہ آہستہ لے رہے تھے۔

صبح ہوئی تو بکری نے دیکھا کہ چند لوگ اپنا ساز و سامان کندھوں پر لادے پہاڑی پر سے جا رہے ہیں۔ شاید وہ مسافر تھے جو اب پہاڑی سے کافی دور جا چکے تھے۔ بکری اپنے میمنوں کو سیر و تفریح کے لیے لے کر نکلی۔ آج اس کا ارادہ ان کو اسی پہاڑی کی چوٹی پر لے کر جانے کا تھا۔ وہ پہاڑی کے اوپر وہاں جانا چاہتی تھی جہاں مسافروں نے پڑاؤ ڈالا تھا۔ جب بکری اپنے میمنوں کے ساتھ وہاں پہنچی تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں ایک اخبار کا ٹکڑا پڑا ہوا ہے۔ بکری نے جب اخبار دیکھا تو اس کی شہ سرخی یہ تھی۔ ”پالک میں لوہا ہوتا ہے“۔

"ماموں، کیا بکریاں بھی اخبار پڑھ لیتی ہیں؟" ازلان نے پوچھا۔

"ہاں بیٹا، کہانیوں والی بکریاں کوئی ان پڑھ تھوڑی ہوتی ہیں" بچوں کے ماموں نے یہ کہا اور اپنی کہانی جاری رکھی۔ "دو میمنے تو ماں کے ساتھ تھے جب کہ ایک میمنا پیچھے ہی چوٹی سے کچھ نیچے رہ گیا تھا۔ کیوں کہ وہ پہاڑی پر نہیں چڑھ سکتا تھا۔ پہلے بھی جب کبھی میمنے اور بکری سیر و تفریح کے لیے پہاڑی پر آتے تو ایک میمنا نیچے ہی رہ جاتا۔ اس لیے ماں نے اب بھی اسے چوٹی تک آنے کے لیے مجبور نہ کیا۔ کیوں کہ ماں کو معلوم تھا کہ یہ پہاڑی پر نہیں چڑھ سکتا۔

جب دونوں میمنوں نے ماں کی یہ بات سنی کہ پالک میں لوہا ہوتا ہے تو موٹو میمنا ہنس کر کہنے لگا "جو لکڑہارے قریبی جنگل میں لکڑیاں کاٹنے آتے ہیں ان کے بیلچے، کلہاڑے اور آرے کیا پالک کے بنے ہوتے ہیں؟"

بکری موٹے میمنے کی یہ معصوم سی بات سن کر ہنس پڑی پھر اس نے میمنوں کو سمجھایا "بچو، پالک میں بس اتنا لوہا ہوتا ہے جتنا ہمارے جسم کے لیے ضروری ہے"۔

موٹو میمنا حیرت سے بولا "مگر امی ہمارے جسم کی تو کوئی چیز بھی لوہے کی نہیں بنی ہوئی"۔

چھوٹا میمنا ایک ساتھ آنکھیں اور منہ کھولے اور کانوں اور دم کو اوپر اٹھا پوری توجہ سے ماں کی بات سن رہا تھا۔

ماں موٹو میمنے کی بات سن کر ایک دم ہنس دی اور بولی "بیٹا، یہ ٹھیک ہے کہ ہمارے جسم کی کوئی چیز لوہے کی نہیں بنی ہوئی مگر لوہا ہمارے جسم کو مضبوط تن درست اور طاقت ور بناتا ہے"۔

"مگر امی کیسے؟" دونوں میمنے بیک وقت بولے۔

"وہ ایسے کہ میرا منجلا بیٹا پالک نہیں کھاتا اسی لیے وہ پہاڑی پر نہیں چڑھ سکتا۔ کیوں کہ اس کے جسم میں لوہے کی کمی ہے۔ اسی لیے تو اس کا جسم صحت مند اور مضبوط نہیں۔ اس لیے ہمیں وہ چیزیں زیادہ سے زیادہ کھانی چاہئیں جن میں لوہے کے اجزا وافر مقدار میں موجود ہوں....."

ماموں کی کہانی ابھی ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ ان کا بھانجا ذی شان جو پالک کا نام سنتے ہی منہ بسور کر بیٹھ جاتا تھا، روٹی کے نوالے کے ساتھ پالک کھانے کے بجائے چمچ سے ایسے کھا رہا تھا جیسے پالک کا سالن نہ ہو بلکہ گری باداموں والے میٹھے چاول ہوں۔

"وہ ماموں..... میں پہاڑی کی چوٹی پر چڑھ سکتی ہوں ناں" ترطیب نے پالک بھرا نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے پوچھا۔

اتنی دیر میں ان کی امی بھی گرم گرم روٹیوں کی بھری چنگیر لے کر باورچی خانے سے ڈرائنگ روم میں آگئی تھیں۔ بچوں کی امی نے اپنے بھائی کی تھوڑی بہت کہانی سن لی تھی۔ اس لیے وہ آتے ہی دکھ کے انداز میں کہنے لگیں۔ "بھائی کیا بتاؤں، ان بچوں کے تو نخرے ہی بہت ہیں۔ کھانے پینے کے معاملے میں تو انہوں نے ناک میں دم کر رکھا ہے۔ حال آں کہ بزرگوں نے بتایا ہے کہ کھانے سے پہلے ہاتھ دھو لینے چاہئیں، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر کھانا شروع کرنا چاہیے اور اگر بھول جائیں تو یاد آنے پر بسم اللہ اولہ و آخرہ کہ لینا چاہیے۔ کیوں کہ جس کھانے پر خدا کا نام نہیں لیا جاتا اس کو شیطان اپنے لیے جائز کر لیتا ہے۔ مگر میرے بچے بار بار بتانے کے باوجود ان باتوں کا خیال ہی نہیں رکھتے۔ میں نے انہیں کئی بار سمجھایا ہے کہ کھانے کے لیے ٹیک لگا کر نہیں بیٹھنا چاہیے۔ خاکساری کے ساتھ اکڑوں بیٹھنا چاہیے یا پھر دو زانوں ہو کر بیٹھنا چاہیے۔ یا ایک گھٹنا بچھا کر اور ایک کھڑا کر کے بیٹھنا چاہیے، خدا کے رسولؐ اسی طرح بیٹھتے تھے۔ اس کے علاوہ کھانے میں کبھی عیب نہیں نکالنا چاہیے۔ پسند نہ ہو تو چھوڑ دینا چاہیے۔ مگر مجال ہے جو ان کی سمجھ میں میری کوئی بات آئے۔

"اور امی جان آپ نے یہ بھی تو بتایا تھا کہ ہمارے بزرگوں نے کہا ہے کہ کھانے کے دوران میں ٹھٹھا مارنے اور بہت زیادہ باتیں کرنے سے پرہیز کرنی چاہیے"۔ ذی شان جو ان بچوں میں سب سے بڑا تھا اس نے ماموں جان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"مگر ٹھٹھا مارے اور کسی کو کوئی اچھی بات بتانے میں

بہت فرق ہے بیٹا جی" خلیل صاحب نے اپنی صفائی پیش کی۔

"بلا ضرورت کھانے کو سونگھنا بھی تو بری بات ہے" اب کی بار ماموں نے ذی شان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ کیوں کہ جب ان کے ماموں آئے تھے تو اس وقت ذی شان پالک کے بھرتے کا ڈونگا اٹھائے اسے سونگھ رہا تھا۔ ماموں کی بات سن کر اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ اس لیے وہ قدرے شرم سار سا ہو گیا۔

"لیکن بھائی' آپ نے کھانا کھانے کے آداب میں یہ نہیں پڑھا کہ پلیٹ میں جو کچھ رہ جائے اگر رقیق ہو تو پی لینا چاہیے ورنہ انگلی سے چاٹ کر پلیٹ صاف کر لینی چاہیے" ذی شان کی امی نے ذی شان کی شرمندگی کم کرنے کے لیے اپنے بھائی کی پلیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جس میں ابھی تھوڑا سا سالن بچا پڑا تھا۔

"مگر باجی' ابھی میں نے کھانا ختم تھوڑی کیا ہے؟" خلیل صاحب نے جواب دیا۔

"ختم کرنے کی کیا علامت ہے؟" ذی شان نے ایک بار

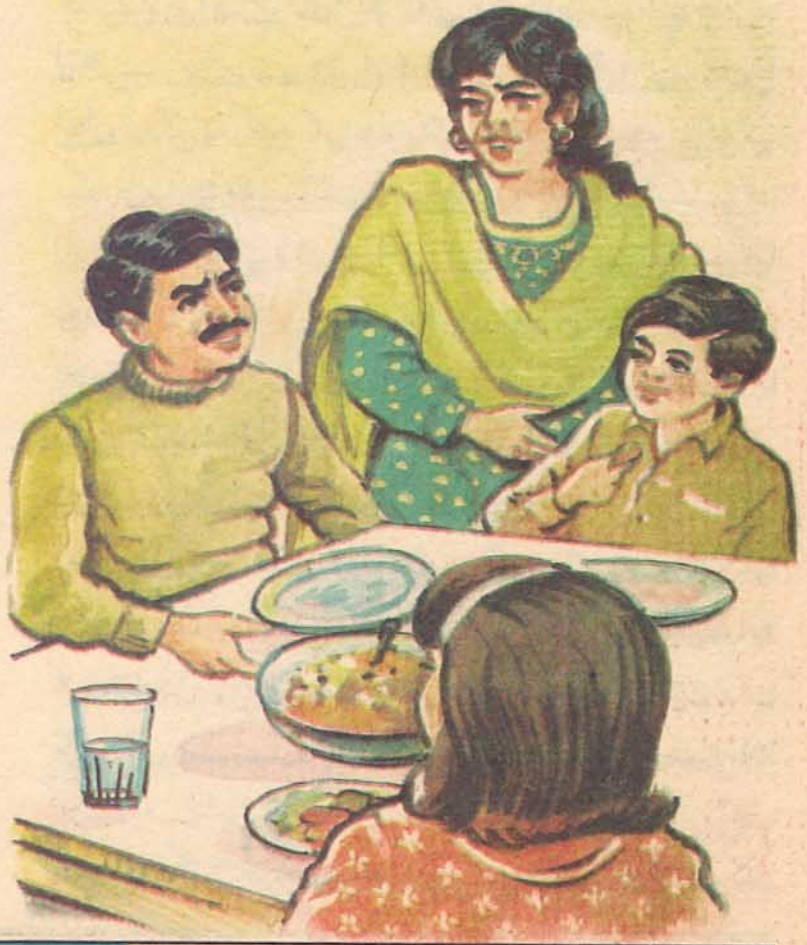

پھر چوٹ لگائی۔

"ختم کرنے کی علامت کھانا کھا چکنے کی دعا
الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمین ہے۔
جس کا ترجمہ یہ ہے کہ حمد و ثنا اس خدا کے لیے ہے جس نے ہمیں کھلایا اور جس نے ہمیں پلایا اور جس نے ہمیں مسلمانوں میں سے بنایا"۔

ماموں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا "اور ہاں آپ کو یہ بھی بتاتا چلوں کہ اجتماعی کھانے والوں میں دیر تک کھانے والوں اور آہستہ کھانے کا ساتھ دینا چاہیے"۔

پھر جب ترطیب نے یہ کہتے ہوئے اپنا ہاتھ ماموں کی طرف بڑھایا "اماں نے بتایا تھا کہ کھانا کھانے سے فارغ ہو کر انگلیاں چاٹ لینی چاہئیں" تو سب ہنس ہنس کر دہرے ہونے لگے۔ دراصل اس نے اپنی انگلیاں ماموں کو چاٹنے کے لیے کہا تھا۔

ماموں بولے "آپ تو بہن خواہ مخواہ اپنے بچوں کو کوسنے دیتی رہتی ہیں۔ میں تو نہیں مانتا کہ آپ کے بچے کھانے پینے کے آداب سے ناواقف ہیں۔ نہ صرف سارے بچوں نے اپنی بھوک کے مطابق کھانا کھا لیا ہے بلکہ کھانے والی پلیٹیں بھی دیکھیں انگلیوں کے ساتھ چاٹ لی ہیں۔

"ماں نے ایک نظر ڈائنگ ٹیبل کی طرف دیکھا تو وہاں تمام پلیٹیں خالی پڑی تھیں۔ ماں یہ دیکھ کر خوش ہو گئی۔

"ہاں البتہ ترطیب کی انگلیاں چاٹنے والی رہ گئی ہیں سو وہ میں کھانے سے فارغ ہو کر چاٹ دیتا ہوں" ماموں خلیل نے کہا تو ترطیب کچھ شرمندہ سی ہو گئی۔ البتہ باقی سب بچے ہنسنے لگے۔ ترطیب کی امی نے ترطیب کو گلے سے لگاتے ہوئے کہا "یہ میری معصوم سی بیٹی اچھی باتوں کو بہت جلد ذہن نشین کر لیتی ہے"۔

اب سب بچے یہ بات جان گئی تھے کہ ماموں اور امی کی خوشی اسی میں ہے کہ کھانا کھانے کے آداب کے مطابق کھانا کھایا جائے اور اللہ بھی اسی سے خوش ہوتا ہے۔ اب وہ سب اس انتظار میں تھے کہ ماموں کب کھانا کھا چکیں اور وہ انہیں ایک نئی کہانی سنیں۔

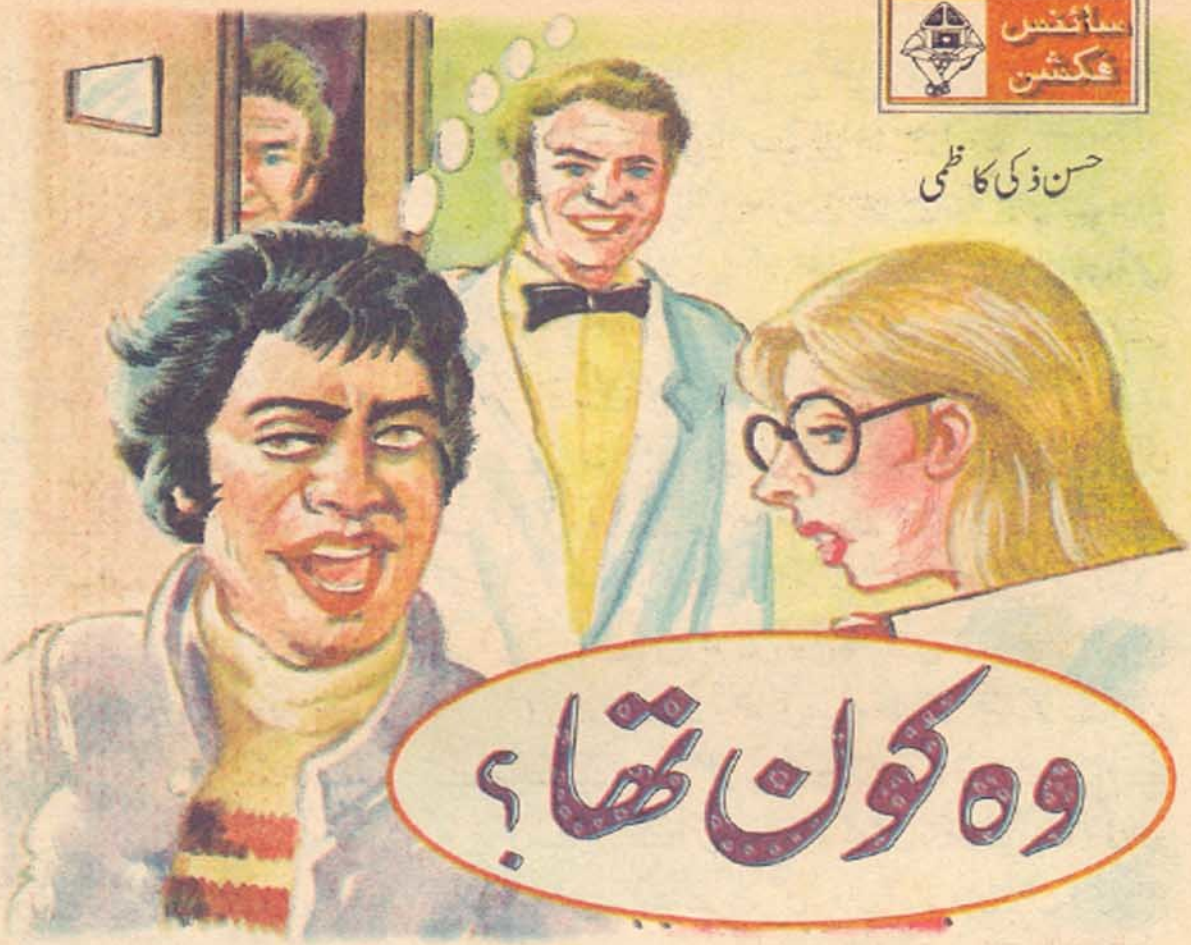

وہ کون تھا؟

حسن ذکی کاظمی

مونٹی کو دفتر پہنچتے ہی یہ خوش خبری ملی کہ اس کا منیجر جوائے کسی وجہ سے تین دن دفتر نہیں آئے گا اور دفتر کا ضروری کام گھر بیٹھ کر کمپیوٹر کی مدد سے کرے گا۔

جوائے کے تین دن تک دفتر نہ آنے کی خبر مونٹی کے لیے واقعی ایک خوش خبری تھی۔ اس نے سوچا کہ اب وہ بڑی آسانی سے دفتر سے غائب ہو جایا کرے گا اور مزے سے ٹینس کا وہ ٹورنامنٹ دیکھے گا جو ان دنوں شہر میں ہو رہا تھا۔ مونٹی ٹینس کا رسیا تھا۔ یوں تو اسے سارے ہی کھیلوں سے بے حد دل چسپی تھی لیکن ٹینس اس کا سب سے پسندیدہ کھیل تھا۔

مونٹی کی خوشی اس وقت اور بھی بڑھ گئی جب جوائے کی سکریٹری نے اسے ایک فائل تھماتے ہوئے کہا۔

"مونٹی! یہ بہت ضروری فائل ہے۔ اسے فوراً منیجر کے گھر پہنچانا ہے"۔

مونٹی نے سوچا کہ دفتر سے غائب ہونے کا یہ بڑا اچھا موقع ہے۔ وہ فائل منیجر کے گھر پہنچا کر سیدھا ٹینس میچ دیکھنے چلا جائے گا۔ دفتر میں سب یہی سمجھیں گے کہ منیجر نے اسے کسی کام سے بھیج دیا ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس طرح اسے یقین ہو جائے گا کہ منیجر گھر پر ہی ہے اور باہر کہیں اس سے مڈبھیڑ ہونے کا ڈر نہیں رہے گا۔ ان خیالوں میں کھویا ہوا مونٹی جوائے کے گھر پہنچ گیا۔ اس نے اپنی موٹر سائیکل ایک طرف کھڑی کی اور دروازے پر لگی ہوئی گھنٹی کا بٹن دبایا۔ چند سکنڈ کے بعد انٹر کوم پر جوائے کی آواز آئی۔ "کون صاحب ہیں؟"

مونٹی نے گلا صاف کرتے ہوئے جواب دیا۔ "جی! میں مونٹی ہوں۔ سکریٹری نے یہ فائل بھیجی ہے"

جوائے نے کہا۔ "تمہارا بہت شکریہ، مجھے افسوس ہے کہ میں دروازے تک نہیں آسکوں گا۔ سخت زکام ہے۔ بستر میں لیٹا ہوا ہوں اور مونا بھی کام سے باہر گئی ہوئی ہے۔ یہ فائل دروازے پر بنی ہوئی دراز سے اندر ڈال دو شکریہ"۔

مونٹی نے فائل دراز میں سے اندر ڈالی اور جلدی سے موٹر سائیکل پر بیٹھ کر اسٹیڈیم کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسٹیڈیم پہنچ کر اس نے ٹکٹ جیب سے نکالا اور اس پر گیٹ نمبر پڑھا۔ موٹر سائیکل اسٹینڈ پر کھڑی کی اور اپنے گیٹ کی طرف تیز تیز قدموں سے بڑھنے لگا۔ میچ شروع ہوئے چند منٹ گزر چکے تھے۔ مونٹی اطمینان سے اپنی نشست پر بیٹھ گیا اور بڑی دل چسپی سے میچ دیکھنے لگا۔ وہ دل ہی دل میں اپنے دوست کا شکریہ ادا کر رہا تھا جس نے اپنا ٹکٹ اسے دے دیا تھا اور ساتھ ہی ساتھ اس بات پر بھی بے حد خوش تھا کہ جوائے نے دفتر نہ آنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اگر جوائے دفتر آتا تو اس کے لیے وہاں سے بھاگنا مشکل ہو جاتا۔ اپنی سالانہ چھٹیاں وہ پہلے ہی ختم کر چکا تھا اور اب چھٹی ملنا بہت مشکل تھی۔

ٹورنامنٹ میں وقفہ ہوا تو مونٹی نے سوچا کہ کیفے ٹیریا میں جا کر کچھ کھا پی لیا جائے۔ وہ اپنی نشست سے اٹھا اور کچھ سوچتا ہوا کیفے ٹیریا کی طرف روانہ ہوا۔ اندر پہنچ کر اس نے کافی اور سینڈوچ خریدے اور خالی میز کی طرف بڑھنے لگا۔ ابھی وہ میز کے قریب ہی پہنچا تھا کہ اس کی نظر سامنے والی میز پر بیٹھے ہوئے جوائے پر پڑی۔ وہ بوکھلا گیا اور قریب تھا کہ کافی اور سینڈوچ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑیں لیکن وہ سنبھل گیا اور اس نے سوچا کہ جوائے بھی یقیناً اسے دیکھ چکا ہوگا لہٰذا اس سے بچنے کی کوشش نہیں کرنا چاہیے۔ وہ آہستہ آہستہ جوائے کی میز کی طرف بڑھا اور سوچنے لگا کہ اس سے یہاں آنے کا کیا بہانہ بنائے۔ قریب پہنچ کر اس نے جوائے کو سلام کیا اور اس کے قریب بیٹھنے کی اجازت چاہی۔ بیٹھنے کے بعد اس نے جوائے سے کہا "سر! اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"

جواب ملا "طبیعت؟ میری طبیعت کو کیا ہوا؟"

مونٹی اس جواب سے کچھ گھبرا گیا لیکن پھر بولا "وہ آپ نے بتایا تھا نا کہ آپ کو شدید زکام ہے"

"شدید زکام ہے؟ کسے؟ مجھے؟ آپ کیا بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں؟ میری آپ کی نہ پہلے ملاقات ہوئی اور نہ کوئی ایسی بات ہوئی، آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے"۔

"سر! ابھی تھوڑی دیر پہلے میں آپ کے گھر آیا تھا تو آپ نے بتایا تھا کہ....."

مونٹی ابھی بات پوری نہ کر پایا تھا کہ اسے جواب ملا "یار! صبح سے تو میں اسٹیڈیم آیا ہوا ہوں۔ آپ کی اور میری ملاقات گھر پر کیسے ہو گئی اور پھر میں آپ کو جانتا بھی نہیں۔ آپ خواہ مخواہ بے تکلف ہو رہے ہیں۔ پتا نہیں کیا قصہ لے کر بیٹھ گئے"۔

یہ کہہ کر وہ شخص اٹھا اور دوسری میز پر جا بیٹھا۔ مونٹی نے جلدی جلدی سینڈوچ اور کافی ختم کر کے اس شخص کو ایک بار پھر غور سے دیکھا جو شیشے سے باہر ٹینس کورٹ میں جھانک رہا تھا۔ پھر اچانک اسے کچھ خیال آیا۔ وہ تیزی سے باہر آیا اور موٹر سائیکل پر بیٹھ کر تیز رفتار سے جوائے کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے گھنٹی کا بٹن دبایا۔ چند سکنڈ بعد جوائے کی آواز سنائی دی۔ "کون ہے؟"

مونٹی سٹ پٹا گیا۔ اس نے ہکلاتے ہوئے کہا "سر! میں میں دراصل یہ..... یہ یہ..... معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ فائل آپ کو مل گئی؟"

"نہ ملنے کی کوئی وجہ تو نہیں تھی۔ جب تم نے وہ دروازے کی دراز میں ڈال دی تھی تو بھلا وہ کہاں جا سکتی تھی۔ اب تم اتنی دور سے یہ معلوم کرنے آئے ہو کہ فائل ملی یا نہیں؟ یہ معلوم ہی کرنا تھا تو سکریٹری فون کر لیتی۔ میرا خیال ہے آج تمہارے پاس دفتر میں کوئی کام نہیں"۔

اس جواب سے تو مونٹی ایسا بوکھلایا کہ بغیر کچھ کہے وہاں سے بھاگ لیا۔ وہ دراصل یہ یقین کرنا چاہتا تھا کہ جوائے اپنے گھر پر ہی ہے اور جسے اس نے اسٹیڈیم میں دیکھا تھا کیا وہ کوئی اور ہے۔ لیکن اسے سخت حیرت تھی۔ وہی آواز، وہی شکل، وہی جسم اور قد اور وہی انداز۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ یہ دو مختلف شخص ہوں۔ مونٹی واپس اسٹیڈیم پہنچا تو وہ شخص کیفے ٹیریا سے جا چکا تھا۔ میچ ختم ہوا تو مونٹی کی آنکھیں کسی کو تلاش کر رہی تھیں۔ اچانک اسے دور وہی صورت نظر آئی لیکن وہ پھر مجمع میں گم ہو گئی۔

ٹورنامنٹ کا سیمی فائنل ختم ہوا۔ دوسرے دن فائنل تھا۔ مونٹی دفتر پہنچا اور اس نے سکریٹری سے ایک بار پھر تصدیق کر لی کہ منیجر دفتر نہیں آ رہا۔ وہ حیران بھی تھا اور خوش بھی کہ کل دفتر سے اس کی غیر حاضری کو کسی نے محسوس نہیں کیا۔ تھوڑی دیر اس نے کام کیا اور ٹورنامنٹ شروع ہونے سے کچھ دیر پہلے کسی سے کچھ کہے بغیر وہ دفتر سے نکل گیا اور موٹر سائیکل دوڑاتا اسٹیڈیم پہنچا۔ آج بہت بھیڑ تھی۔ ہر طرف تماشائی نظر آ رہے تھے۔ مونٹی نے میچ دیکھنا شروع کیا تو وہ سب کچھ بھول گیا۔ نہ اسے جوائے کا خیال رہا اور نہ ہی اس کے ہم شکل کا۔

وقفے کے دوران میں مونٹی کیفے ٹیریا میں پہنچا تو وہاں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ اس نے سینڈوچ اور کافی خریدی اور

کیفے ٹیریا سے باہر آکر لان میں پڑی ہوئی ایک بنچ پر بیٹھ گیا۔ مشکل سے ایک منٹ گزرا ہو گا کہ وہی کل والا اجنبی اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ اس نے بڑی خوش مزاجی سے مونٹی کو ہیلو کہا اور پوچھا۔ ''آج تو آپ کو کوئی پریشانی نہیں؟''

مونٹی نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑتے ہوئے کہا ''پریشانی بھی ہے اور حیرانی بھی۔ اچھا یہ بتایئے کہ کیا آپ کا کوئی جڑواں بھائی بھی ہے؟''

وہ شخص ہنسا اور کہنے لگا۔ ''غالباً آپ کا اگلا سوال یہ ہو گا کہ کیا وہ جڑواں بھائی بچپن میں کھو گیا تھا؟ اور پھر چند سکنڈ بعد آپ یہ اطلاع دیں گے کہ وہ مل گیا ہے اور آپ کو اس کا نام پتا معلوم ہے اور آپ مجھے اس سے ملوا سکتے ہیں وغیرہ وغیرہ' تو میں آپ کو بتا دوں کہ میرا کوئی جڑواں بھائی نہیں بلکہ سرے سے کوئی بھائی ہی نہیں۔ میری بس ایک بہن ہے۔ اب آگے بات کرو''۔

مونٹی کی حیرانی اور بڑھ گئی اور وہ بولا۔ ''اچھا یہ بتایئے کہ آپ جوائے ملر کو جانتے ہیں؟''

''کون جوائے ملر؟ میں اس نام کے کسی شخص کو نہیں جانتا۔ خیر چھوڑو ان باتوں کو' یہ بتاؤ کہ فائنل تمہارے خیال میں کون جیتے گا؟''

بس پھر کیا تھا۔ مونٹی نے ٹینس کے بارے میں جو باتیں کیں ان سے اجنبی پر خاصا رعب پڑ گیا۔ مونٹی کو کھیل دیکھنے کا ہی شوق نہ تھا بلکہ وہ ہر بڑے کھیل کے بارے میں بہت اچھی طرح جانتا تھا اور مختلف کھلاڑیوں کے بارے میں اس کی رائے بڑا وزن رکھتی تھی۔ مونٹی اور اجنبی کی گفت گو کے دوران میں کئی مشہور کھلاڑی ادھر سے گزرے۔ ان میں کسی نے ہاتھ کے اشارے سے مونٹی کو سلام کیا اور کسی نے پاس آکر ہاتھ بھی ملایا۔ کئی اخباری نمائندے بھی ادھر سے گزرتے ہوئے مونٹی سے ہیلو ہائے کرتے رہے۔ اب تو اجنبی پر بھی رعب پڑ گیا۔

فائنل ختم ہوا تو مونٹی موٹر سائیکل پر سوار ہو کر سیدھا دفتر پہنچا۔ دفتر ختم ہونے میں کچھ دیر تھی۔ منیجر کی سکریٹری سے ملاقات ہوئی تو وہ اسے دیکھ کر مسکرائی لیکن کچھ نہ بولی۔ مونٹی اپنے کام میں مصروف ہو گیا لیکن وہ مسلسل اس شخص کے بارے میں سوچے جا رہا تھا۔ اس کے ذہن میں یہی سوال گھوم رہا تھا ''وہ کون ہے؟ وہ کون ہے؟ وہ کون ہے؟''

ابھی وہ اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ سکریٹری اس کے پاس آئی اور کہنے لگی۔ ''تمہیں معلوم ہے کہ منیجر کل بھی نہیں آئیں گے۔ لیکن کل صبح انہیں ایک اور ضروری فائل گھر پہنچانا ہے اور یہ کام تمہیں نے کرنا ہے''۔

دوسرے دن منیجر کے گھر پہنچ کر مونٹی نے گھنٹی بجائی تو آواز آئی ''کون مونٹی؟''

مونٹی نے جواب دیا ''جی ہاں! میں ہوں یہ فائل لایا ہوں''

جوائے کی آواز آئی ''یار معاف کرنا میں بستر میں ہوں۔ یہ زکام پیچھا نہیں چھوڑ رہا۔ مونا بھی گھر پر نہیں۔ تم فائل دروازے کے اندر ڈال دو مونا آئے گی تو اٹھا لے گی شکریہ''۔

مونٹی نے فائل اندر ڈالی اور واپس چل دیا۔ اچانک اسے یاد آیا کہ گلا خراب ہو رہا ہے اور گھر پر کوئی دوا نہیں۔ قریب ہی دواؤں کی دکان تھی۔ اس نے گولیاں خریدیں اور دکان سے باہر نکلا۔ اس نے دیکھا کہ سامنے وہی شخص جو اسے اسٹیڈیم میں ملتا رہا تھا اپنی کار میں جا رہا ہے۔ اس نے بہت ہاتھ ہلایا لیکن اس شخص نے اسے نہ دیکھا۔ کار اسی طرف جا رہی تھی جدھر جوائے کا مکان تھا۔ مونٹی نے جلدی سے موٹر سائیکل اسٹارٹ کی اور اسی طرف روانہ ہو گیا جدھر کار گئی تھی۔ اس وقت اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ کار جوائے کے گھر کے گیٹ میں داخل ہوئی' جوائے کا ہم شکل شخص اس میں سے اترا اور گھر کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ مونٹی نے کار کو غور سے دیکھا تو پتا چلا کہ یہ جوائے کی کار نہیں۔ مونٹی سوچنے لگا کہ یہ معاملہ کیا ہے؟ اس شخص نے کہا تھا کہ یہ جوائے ملر کو نہیں جانتا پھر یہ جوائے کے گھر کیسے آیا اور کیوں اتنی بے تکلفی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ اس نے دروازہ کیسے کھول لیا؟ کیا اس کے پاس گھر کی چابی تھی؟ پھر اسے خیال آیا کہ شاید یہ شخص جوائے ہی ہو۔ لیکن گاڑی تو جوائے کی نہیں اور ابھی چند منٹ پہلے تو وہ فائل گھر پر دے کر گیا تھا۔ اس وقت انٹر کوم

پر جوائے سے اس کی بات بھی ہوئی تھی۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ چند ہی منٹ میں جوائے کہیں اور سے آکر اپنے گھر میں داخل ہوا ہو۔ وہ تو پہلے سے گھر میں موجود تھا۔

مونٹی کا سر چکرانے لگا۔ یہ سوال پھر بڑی تیزی سے اس کے دماغ میں گھومنے لگا۔ یہ شخص کون ہے؟ یہ شخص کون ہے؟ یہ کیا گورکھ دھندا ہے؟ آخر اس سے رہا نہ گیا۔ وہ تیزی سے جوائے کے دروازے کی طرف بڑھا اور گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔ انٹر کوم پر جوائے کی آواز آئی۔ "کون ہے؟"

مونٹی نے گھبرائے ہوئے لہجہ میں کہا "سر! میں ہوں مونٹی"۔

جوائے نے ذرا خشک انداز میں کہا "یار! فائل مل گئی ہے تم تو ایک بات کے پیچھے ہی پڑ جاتے ہو"۔

مونٹی اور بھی گھبرا گیا لیکن اس نے ہمت سے کام لیا اور بولا "جناب! بات دراصل یہ ہے کہ ایک صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں جن کی کار باہر کھڑی ہے۔ وہ میرے بھی جاننے والے ہیں۔ میں باہر ان کا انتظار کروں گا۔ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں"۔

جوائے کا لہجہ بدل گیا۔ اس نے خاصی خوش مزاجی سے کہا "اچھا ان سے ملنا چاہتے ہو تو پھر باہر ملنے کی اور انتظار کرنے کی کیا ضرورت ہے، اندر آجاؤ"۔

یہ کہہ کر جوائے نے دروازے کا تالا اندر سے کھول دیا۔ مونٹی گھبرایا ہوا اندر داخل ہوا۔ جوائے نے اسے بڑی خوش اخلاقی سے بٹھایا اور کہنے لگا۔ "بھئی فائنل بڑا زور دار تھا۔ مزا آگیا۔ کیا خیال ہے تمہارا؟"

مونٹی اس سوال سے سخت پریشان ہو گیا لیکن پھر سنبھل کر اس نے اس سوال کا جواب دینے کے بجائے بڑی حیرت سے پوچھا۔ "آپ مسٹر جوائے ملر ہیں یا وہ صاحب جو"

جواب ملا "ایک ہی بات ہے۔ میں جوائے بھی ہوں اور تمہارا نیا دوست بھی"

"ایک شخص کے دو روپ" حیرت سے مونٹی کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا پھر وہ بولا "چلئے مان لیا لیکن یہ تو بتایئے کہ ایک شخص ایک ہی وقت میں گھر کے اندر بھی ہے اور گھر سے دور بھی، یہ کیسے ممکن ہے؟"

جوائے نے قہقہہ لگایا اور کہنے لگا۔ "یہ ہے بلو ٹوتھ ٹیکنالوجی کا کمال اور اس سے پہلے کہ تم کوئی اور سوال کرو میں تمہیں بلو ٹوتھ (BLUE TOOTH) ٹیکنالوجی کے بارے میں بتائے دیتا ہوں۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ یہ 2005ء کا زمانہ ہے اور اب یہ رواج ہو چکا ہے کہ دفتروں کے بڑے بڑے افسر اور سنیئر لوگ اکثر دفتر آنے کے بجائے اپنا کام کمپیوٹر اور وڈیو فون کی مدد سے گھر پر ہی کرتے ہیں لیکن جب کہ آج سے

چھ سات سال پہلے یعنی 1998ء میں بجلی کا سامان، کمپیوٹر اور مواصلاتی آلات بنانے والی سینکڑوں کمپنیوں نے مل کر یہ پروگرام بنایا تھا کہ گھر میں استعمال ہونے والے آلوں اور شیشوں کو کمپیوٹر کے ذریعے ایک دوسرے سے ملا دیا جائے۔ یہ رابطہ تاروں کے بجائے ریڈیو سگنل کے ذریعے قائم کیا جائے۔ اس سسٹم میں مرکزی حیثیت ایک کمپیوٹر کو حاصل ہو جس کے ذریعے ٹی وی، استری، بجلی کے چولہے، اون، دروازے کے تالے، دروازے کی گھنٹی اور دوسرے مشینوں یا آلوں کا آپس میں تعلق قائم ہو سکے۔ دوسری طرف اس کمپیوٹر کا رابطہ اس کے مالک کے موبائل فون سے بھی قائم کر دیا جائے۔ موبائل فون سے رابطہ کو بہت اہمیت حاصل ہو۔ گھر کے مالک کو گھر سے باہر پل پل کی خبر ملتی رہے اور وہ گھر سے دور ہوتے ہوئے بھی کمپیوٹر کو ضروری ہدائتیں دے سکے۔ اب اس ٹیکنالوجی کی بدولت یہ ممکن ہو گیا ہے۔ اگر تم گھر سے باہر ہو اور تمہیں اچانک یاد آیا کہ تم نے استری کھلی چھوڑ دی ہے یا چولہا بند کرنا بھول گئے ہو اور گھر پر کوئی اور بھی نہیں۔ تم موبائل فون پر فوراً کمپیوٹر کو ہدایت دو گے کہ استری یا چولہا بند کر دیا جائے اور کمپیوٹر فوراً تمہارے حکم پر عمل کرے گا۔ اسی طرح تم کمپیوٹر کو حکم دے سکتے ہو کہ وہ تمہارے گھر پہنچنے سے پہلے وی سی آر پر فلاں وقت فلاں ٹی وی پروگرام ریکارڈ کر لے۔ ریفریجریٹر میں جب دودھ، دہی، مکھن یا دوسری چیزیں کم رہ جائیں تو وہ کمپیوٹر کو بتائے گا اور کمپیوٹر براہ راست اسٹور کو اطلاع دے کر یہ چیزیں منگوا لے گا۔ اگر کار چوری ہوتی ہے تو کمپیوٹر کو یہ پتا ہو گا کہ چور اسے کدھر لے گئے ہیں اور وہ پولیس کو اطلاع دے کر چور کو پکڑوا دے گا۔ اس کمپیوٹر کا ایک کام یہ بھی ہے کہ جب کوئی شخص دروازے کی گھنٹی بجاتا ہے تو یہ فوراً مالک کو خواہ وہ کہیں بھی ہو، اطلاع دیتا ہے اور مالک کے موبائل فون کا رابطہ دروازے کی گھنٹی کے ساتھ لگے ہوئے انٹر کوم سے قائم ہو جاتا ہے اور گھر کا مالک اس گھنٹی بجانے والے شخص سے میلوں دور سے ایسے باتیں کرتا ہے جیسے وہ گھر کے اندر موجود ہو۔ تو ہماری کمپنی نے یہ بلوٹوتھ سسٹم میرے گھر پر بھی لگوا دیا ہے اور آج کل اس کا تجربہ ہو رہا ہے کہ یہ کس حد تک کامیاب رہے گا۔ تم جب بھی آئے اور تم نے گھنٹی بجائی، میں گھر سے باہر تھا۔ کبھی ٹینس کورٹ میں اور کبھی کہیں اور۔ لیکن گھنٹی کے انٹر کوم کا رابطہ میرے موبائل فون سے اتنی جلدی اور اتنی اچھی طرح قائم ہوا کہ تم یہی سمجھتے رہے کہ میں گھر میں ہوں۔ اس طرح یہ گھنٹی والا تجربہ بہت کامیاب رہا"۔

یہ ساری بات تو مونٹی کی سمجھ میں آ گئی لیکن وہ ڈر رہا تھا کہ اب جوائے اس سے یہ پوچھے گا کہ وہ دفتر سے دو دن کیوں غائب رہا۔ لیکن جوائے بہت اچھے موڈ میں تھا۔ اس نے کافی کی پیالی مونٹی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اس دن تم سے کھیلوں کے بارے میں جو بات ہوئی اس سے میں بہت متاثر ہوا۔ تمہیں دل چسپی بھی ہے اور معلومات بھی۔ کھلاڑیوں اور صحافیوں سے بھی تمہاری اچھی جان پہچان ہے۔ اتفاق کی بات ہے کہ ہمارے ہیڈ آفس میں ایک نیا شعبہ قائم ہوا ہے جس کا تعلق کھیل اور کھلاڑیوں سے ہے۔ میں نے سفارش کی ہے کہ تمہیں اس شعبے کا ایک ذمہ دار افسر بنا دیا جائے۔ امید ہے یہ کام چند دن میں ہو جائے گا"۔

خوشی سے مونٹی کی یہ حالت ہوئی کہ کافی کی پیالی ہاتھ سے چھوٹنے لگی۔ اس نے اپنے کو سنبھالا اور بولا "میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں"۔

جوائے نے مسکراتے ہوئے کہا "نہیں کوئی بات نہیں لیکن ہاں تمہیں یہ دفتر سے غائب ہونے کی عادت چھوڑنا ہو گی۔ یہ بات اچھی نہیں۔ شوق کی خاطر اپنی ذمہ داری سے نہیں بھاگنا چاہیے"۔

مونٹی نے شرمندہ ہو کر کہا۔ "آپ درست کہہ رہے ہیں میں....."

جوائے نے بات کاٹی

"ورنہ پھر بلوٹوتھ ٹیکنالوجی میں ایک ایسا آلہ بھی شامل کرنا ہو گا جو منیجر کو دفتر سے بھاگنے والوں کی غیر حاضری اور ان کے آنے جانے کی خبر دیتا رہے" یہ کہہ کر جوائے نے قہقہہ لگایا اور اس میں مونٹی کی کھسیانی ہنسی بھی شامل ہو گئی۔

معلومات

ڈاکٹر رضوان ثاقب

ممی کیا ہے

قدیم مصر کے باشندوں کا جب کوئی عزیز رشتہ دار فوت ہو جاتا تو وہ مرنے والے کی لاش کو مسالے لگا کر محفوظ کر لیا کرتے تھے۔ محفوظ کرنے کے اس عمل کو حنوط کرنا کہتے ہیں اور حنوط شدہ جسم کو ممی کہا جاتا ہے۔ شروع شروع میں مصری لوگ اپنے مردوں کو قدرتی طور پر ممی بنالیا کرتے تھے۔ وہ لاش کو صحرا کی گرم ریت میں دبا دیتے تھے اور تپتی جھلستی ریت میں لاش خشک اور سخت ہو کر پتھر بن جاتی تھی۔

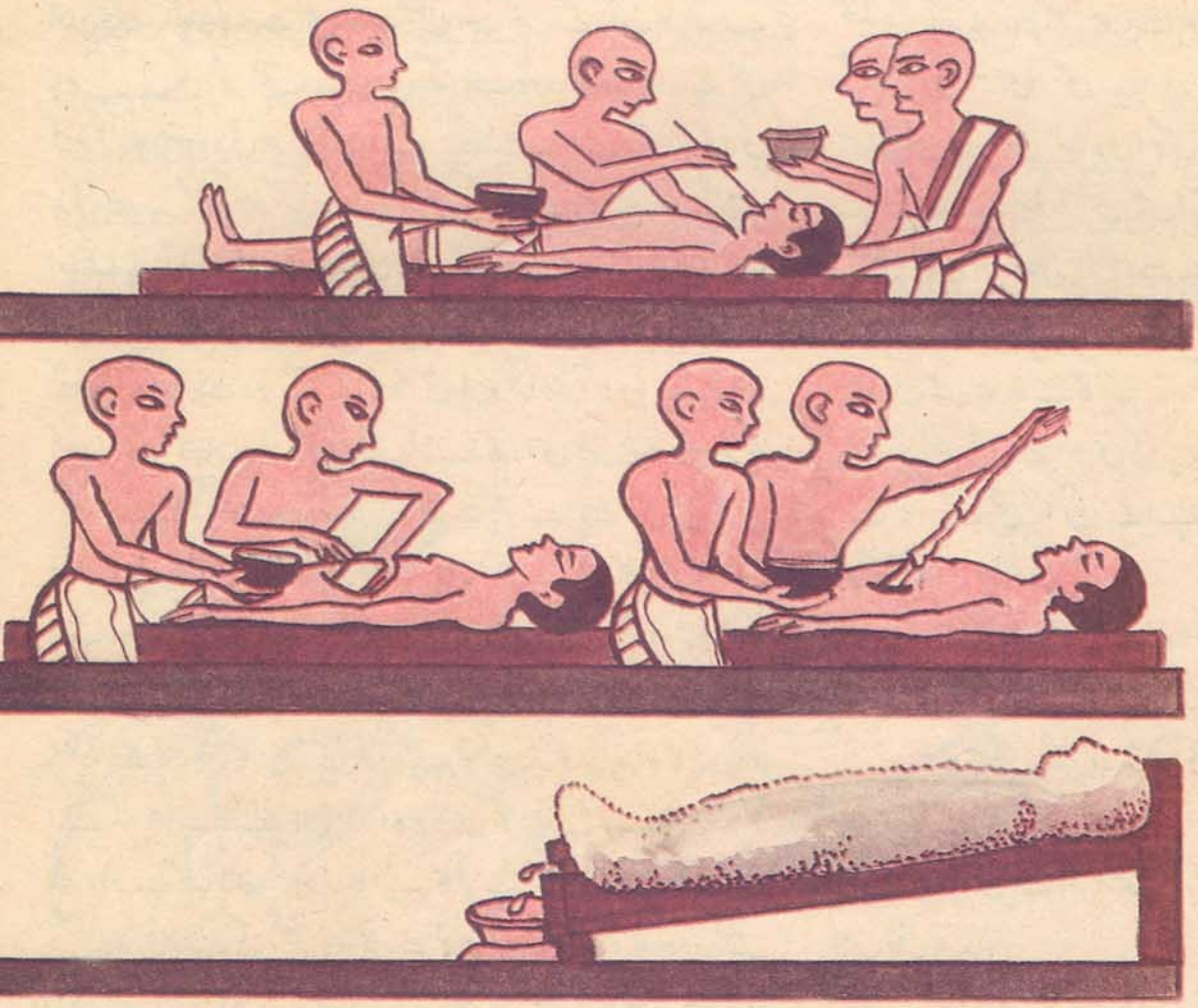

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کام میں دوسرے طریقے بھی استعمال کئے جانے لگے۔ پھر لاشوں کو کپڑے یا چمڑے کے کفن میں لپیٹ کر غار یا ایسے گڑھوں میں دفن کیا جانے لگا جن کی تہ میں لکڑیاں یا پتھر بچھے ہوئے ہوتے تھے۔ لیکن اس طریقے سے دفن کی جانے والی لاشیں ہوا اور آبی بخارات یا جراثیم کے اثر سے پاک نہ ہوتی تھیں اس لیے گل سڑ جاتی تھیں۔ چناں چہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مصریوں نے حنوط کر کے ممی بنانے کا طریقہ دریافت کیا۔ اس طریقے میں نیٹرون (Natron) نامی ایک کیمیائی مادہ استعمال کیا جاتا تھا۔ کپڑے کی پٹیاں نیٹرون میں ڈبو کر لاش کے اندر بھی رکھ دی جاتی تھیں اور باہر بھی خوب اچھی طرح لپیٹ دی جاتی تھیں۔ یہ کیمیائی مادہ لاش کو اندر اور باہر سے اسی طرح سکھا کر خشک کر دیتا تھا جس طرح صحرا کی تپتی ریت اسے سکھا دیتی ہے۔ اس عمل کے بعد ممی کو اچھی طرح صاف کر کے بڑی احتیاط سے لمبی لمبی پٹیوں میں لپیٹ دیا جاتا تھا۔ ان پٹیوں کے ساتھ لاش پر کپڑے کا کفن بھی لپیٹا جاتا تھا۔ ممی کے کفن کے اندر جادو کی چیزیں بھی رکھی جاتی تھیں۔ کفن پہنانے کے بعد اس پر گندے بروزے کا لیپ کر دیا جاتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے جس مصری بادشاہ کی ممی تیار کی گئی وہ "روسی رس" تھا۔

مصر قدیم کے انیسویں حکم ران خاندان کے تیسرے فرعون رامسس دوم کی ممی آج بھی کئی ہزار سال گزرنے کے باوجود موجود ہے۔ یہ آج کل قاہرہ کے عجائب گھر میں پڑی ہوئی ہے۔ فرعون قدیم مصری بادشاہوں کا لقب تھا۔ قرآن حکیم سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون تخت نشین ہوتے ہی اپنا مقبرہ (ہرم) بنوانا شروع کر دیتے تھے۔ یہ اہرام (مقبرے) مصر میں ہیں اور دنیا کے سات عجائبات میں شمار ہوتے ہیں۔ در حقیقت اہرام ہرم کی جمع ہے۔ ہرم عربی زبان میں پرانی چیز کو کہتے ہیں۔ جب 1400 سال پہلے عربوں نے مصر فتح کیا تو ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کیا چیزیں ہیں لہٰذا وہ انہیں اہرام یعنی پرانی چیزیں کہنے لگے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپؑ کی قوم کا تعاقب رامسس دوم فرعون نے ہی کیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے مشہور پیغمبر ہیں جو مصر میں پیدا ہوئے۔ فرعون کو معلوم ہو گیا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے جو اس کی بربادی کا باعث ہو گا۔ اسی لیے وہ بنی اسرائیل کے سب لڑکوں کو قتل کروا دیتا تھا۔ لہٰذا آپؑ کی والدہ نے آپؑ کو ایک صندوق میں بند کر کے دریائے نیل میں بہا دیا۔ یہ صندوق فرعون کی ملکہ کی نظر سے گزرا۔ اس نے آپؑ کو لے لیا اور بیٹے کے طور پر پالا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلامؑ کو فرعون کی ہدایت کے لیے متعین کیا لیکن فرعون اپنے جادوگروں کو آپؑ کے مقابلے میں لایا مگر وہ سب اپنے آپ کو عاجز پا کر ایمان لے

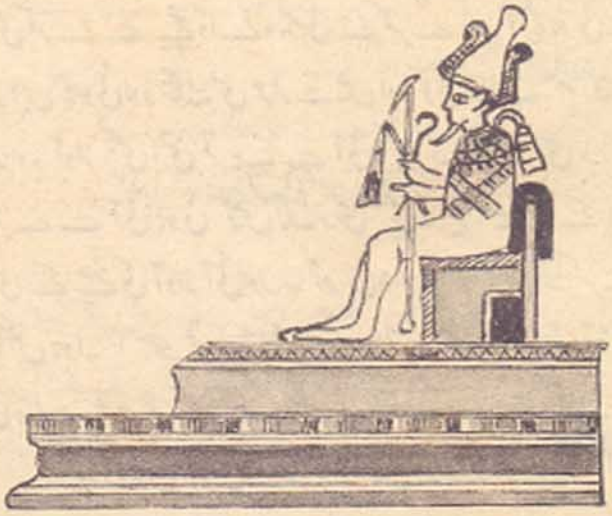

آئے۔ اس کے بعد آپؑ اپنی قوم کو لے کر مصر سے روانہ ہوئے۔ راستے میں دریائے نیل پڑتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت آپؑ نے اپنا عصا (ڈنڈا) مارا۔ دریا دو حصوں میں بٹ گیا اور دریا میں ایک راستہ سا بن گیا۔ فرعون بھی آپؑ کے تعاقب میں چلا آ رہا تھا۔ جب وہ دریا پر پہنچا تو اس نے دریا میں ایک راستہ بنا پایا۔ وہ بھی بلا جھجک آپؑ کے پیچھے ہی اپنے لاؤ لشکر سمیت دریا میں اتر گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو اپنے ساتھیوں سمیت پار اتر گئے مگر فرعون اپنے تمام لشکر کے ساتھ دریا میں غرق ہو گیا۔

دوسرے فرعونوں کی طرح اس فرعون (رامسس) کی حنوط شدہ لاش (ممی) بھی ابو سمبل کے ہرم میں رکھ دی گئی تھی۔ جسے 1881ء میں ماہرین آثار قدیمہ نے دریافت کیا۔ 1912ء میں یہ ممی شمالی مصر میں دریائے نیل کے ڈیلٹا کے سرے پر واقع براعظم افریقہ کے مشہور اور قدیم شہر اسلامی جمہوریہ مصر کے دارالحکومت قاہرہ کے عجائب گھر میں رکھ دی گئی۔ 1974ء میں معائنے کے دوران میں معلوم ہوا کہ ممی میں پھپھوندی لگ گئی ہے چناں چہ اکتوبر 1976ء میں اسے پیرس لے جایا گیا۔ پیرس کے ممی گھر کے بیس بائیس سائنس دانوں نے اس ممی کو پھپھوندی سے نجات دلائی اور پھر اسے قاہرہ بھیج دیا گیا۔

پُراسرار ممی

فرحانہ پارس

ڈیوڈ اسمتھ سوتے میں بری طرح کانپ گیا۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ وہ ایک زیر زمین کمرے میں کھڑا ہے۔ اس کی ٹانگیں بھاری ہیں اور وہ ہل بھی نہیں سکتا۔ اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ وہاں کس طرح پہنچا۔ کمرے میں پتھر کی میزیں پڑی ہوئی تھیں اور ہر میز پر لینن کی پٹیوں میں لپٹی ہوئی مصری ممیاں رکھی ہوئی تھیں۔ اچانک ہی ان میں بڑبڑاہٹ کی آوازیں آنے لگیں اور اس کے ساتھ ہی ان ممیوں نے ایک ایک کر کے اپنی پٹیاں اتارنی شروع کر دیں۔ ہر پٹی کی تہ ہلکی ہلکی توڑ پھوڑ کی آواز کے ساتھ اترتی اور جب آخری تہ بھی اتر کر فرش پر گر گئی تو ممیوں سے ہلکے ہلکے بخارات سے اٹھنے لگے جیسے دھواں اٹھ رہا ہو۔

کچھ دیر بعد جب منظر صاف ہوا تو اسمتھ کو ممیوں کے ہاتھ پیر اور چہرے نظر آنے لگے۔ ان کے ادھ کھلے مونہوں میں سے ڈراؤنی آوازیں نکل رہی تھیں۔ اسمتھ نے ڈر کے مارے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا لیکن منظر پھر بھی اس کی نظروں کے سامنے رہا۔ ممیوں کے سفید سفید جسم اس کے گرد پھرنے لگے اور پھر ان کے ہاتھوں نے اسمتھ کی گردن کو آہستہ سے چھوا۔ پھر اسے یوں لگا جیسے وہ ممیاں اس کی موت ہوں۔ وہ بری طرح ہاتھ پیر مارنے لگا اور آخر کار نیند سے بیدار ہو گیا۔

یہ جان کر بھی کہ وہ آکسفورڈ کالج میں اپنے کمرے کے اندر بستر پر لیٹا ہوا ہے وہ دیر تک خوف سے کپکپاتا رہا۔ اس سے پہلے کہ اس کے حواس درست ہوتے، ہاسٹل کے کسی دوسرے کمرے سے زوردار چیخ کی آواز آئی۔ اسمتھ اپنے بستر سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اس نے سوچا ضرور یہ آواز نیچے بلنگھم کے کمرے سے آئی ہو گی یا پھر اس کے بھی کمرے سے نیچے والے ولیم لی کے کمرے سے آئی ہو گی۔ کیوں کہ اس چھوٹی اور تنگ سی عمارت میں اور کوئی طالب علم نہیں رہتا تھا اور آواز بھی اتنی قریب سے آئی تھی کہ وہ دور کسی ملازم کے کمرے سے آتی ہوئی نہیں لگ رہی تھی۔ سیڑھیوں کے پاس ہی کسی کے چلنے کی آواز آئی اور ساتھ ہی ولیم لی حواس باختہ کمرے میں داخل ہوا۔ "اسمتھ تم میڈیکل کے طالب علم ہو جلدی آؤ، بلنگھم کی حالت سخت خراب ہے" وہ گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

وہ دونوں تیزی سے سیڑھیاں اترتے ہوئے بلنگھم کے

کمرے میں آئے۔ وہ پڑھائی کے کمرے سے زیادہ کوئی عجائب گھر لگ رہا تھا۔ چھت اور دیواروں پر پرندوں اور چھوٹے جانوروں کے ڈھانچے ٹنگے ہوئے تھے۔ مصری الو، بلیوں، بھینسوں اور فرعونوں کے مجسمے جگہ جگہ رکھے ہوئے تھے اور اور چھت کے ساتھ ایک بہت بڑا حنوط شدہ مگرمچھ رسیوں کے ساتھ باندھ کر لٹکایا ہوا تھا۔ لیکن سب سے زیادہ ڈراؤنی چیز ایک ممی تھی جو ایک مربع شکل کی میز پر پڑی تھی۔ ممی کے ہاتھ، ہاتھ کم اور پنجے زیادہ لگ رہے تھے اور اس کی کہنیوں کی ہڈیاں صاف نظر آرہی تھیں۔ اس کے قریب ہی پیلے رنگ کا کاغذ پڑا ہوا تھا اور ممی کا تابوت دیوار کے ساتھ کھڑا کیا گیا تھا۔ بلنکھم آرام سے کرسی پر ٹیک لگا کر بیٹھا ہوا تھا اور اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ آنکھیں پوری کھلی ہوئی اور چھت کے ساتھ لٹکے ہوئے حنوط شدہ مگرمچھ کو دیکھ رہی تھیں۔ اس کے ہونٹ نیلے ہو چکے تھے اور وہ بہت مشکل سے سانس لے رہا تھا۔

"افوہ! میرے خدا، یہ تو مر رہا ہے" لی چلایا۔

"نہیں! یہ بے ہوش ہو گیا ہے۔ اس کی ہتھیلیوں کو رگڑو میں اس کے پیر رگڑتا ہوں" یہ کہہ کر اسمتھ نے اس کے پیروں کے تلوے سہلانے شروع کر دیئے۔

"اب لی تم ایسا کرو کہ اس کے کالر ڈھیلے کر دو اور پانی لے کر آؤ تاکہ اس پر چھڑکیں تو یہ ہوش میں آجائے لیکن پہلے یہ بتاؤ کہ یہ کیا کر رہا تھا؟"۔

"مجھے تو کچھ بھی معلوم نہیں۔ اس کی چیخ سن کر میں بھاگتا ہوا آگیا" لی نے بتایا۔

اسمتھ نے بلنکھم کے سینے پر ہاتھ رکھا اور کہا "اس کا دل کسی ڈھول کی طرح دھڑک رہا ہے۔ لگتا ہے یہ کسی چیز سے ڈر گیا ہے۔ اس کا چہرہ بھی سفید ہو گیا ہے"۔

"یہ کس چیز سے خوف زدہ ہوا ہوگا"۔

"ہو سکتا ہے اس ممی سے خوف زدہ ہو گیا ہو"۔

"ممی سے کیسے؟"

"یہ تو مجھے نہیں معلوم لیکن یہ دوسری بار ہوا ہے۔ تمہارے یہاں آنے سے پہلے پچھلی سردیوں میں ایک بار اس نے ایسے ہی چیخ ماری تھی اور یہ مجھے اسی ممی کے سامنے بالکل اسی حالت میں ملا تھا"۔

اسمتھ یہ سن کر حیران سا ہو گیا۔ اس نے کہا "اگر یہ ایسی چیزوں سے اتنا ہی ڈرتا ہے تو یہ ان کے بارے میں پڑھتا ہی کیوں ہے؟"

"اصل میں یہ ماضی کے بارے میں جاننے کے لیے دیوانہ ہوا رہتا ہے" لی نے جواب دیا۔ یہ قدیم مصر کے بارے میں اتنا کچھ جانتا ہے کہ کسی اور کے پاس اتنا علم نہیں ہوگا..... اوہ! میرا خیال ہے کہ یہ ہوش میں آرہا ہے"۔

بلنکھم کے چہرے پر ہلکا سا رنگ آیا۔ اس نے پلکیں جھپکائیں، اپنی مٹھیوں کو بھینچا اور اپنے منہ سے سانس خارج کیا۔ اس نے یہ جاننے کے لیے کہ وہ کہاں ہے، ادھر ادھر دیکھا اور پھر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اب اس نے ممی کے پاس پڑا ہوا پیلا کاغذ اٹھایا اور اس کو دراز میں رکھ کر جلدی سے تالا لگا دیا۔

"تم دونوں یہاں کیا کر رہے ہو؟" بلنکھم نے غصے سے پوچھا۔

"بلنکھم تم چیخ رہے تھے۔ اس لئے ہم یہاں آئے ہیں"۔ میں نے وضاحت کی۔

"بات سنو لی۔ اگر ہمارا ہمسایہ اسمتھ یہاں نہ آیا ہوتا تو مجھے خود نہیں معلوم میں تمہارے ساتھ کیسا سلوک کرتا"۔ اس کے بعد وہ بلنکھم کی طرف مڑا۔ "میں تمہارا شکر گزار ہوں اسمتھ کہ تم یہاں آئے" پھر بلنکھم اپنے ہاتھوں کو گھورتے ہوئے پاگلوں کی طرح زور سے قہقہے لگانے لگا۔

"دیکھو، بس کرو" اسمتھ نے بلنکھم کے کندھے کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ "تم اعصابی دباؤ کا شکار ہو، تمہیں آرام کرنا چاہیے۔ خاموش رہنا چاہیے اور کچھ عرصہ آدھی رات کے وقت اس طرح کام نہیں کرنا چاہیے ورنہ پاگل ہو جاؤ گے"

"میرا خیال ہے جو میں نے دیکھا ہے اگر تم دیکھ لیتے تو تم بھی چپ نہ رہ سکتے" بلنکھم نے کہا۔

"کیا دیکھا ہے تم نے" اسمتھ نے پیار سے پوچھا۔

"وہ کچھ نہیں..... میرا مطلب ہے کہ آدھی رات کو اس کمرے میں ممی کے سامنے کھڑے ہو کر تم بھی اسی طرح چیختے"۔

لی نے تازہ ہوا کے لیے کمرے کی کھڑکیاں کھول دیں۔ بلنگھم نے ممی کے پاس میز پر رکھے ہوئے کھجور جیسے پودے سے کچھ پتے توڑے اور انہیں لیمپ کے شعلوں پر رکھ دیا۔ دھوئیں سے تیز چھبنے والی بو آنے لگی۔ پھر وہ بولا "یہ قدیم پادریوں کا مقدس پودا ہے"۔

"اچھا میں تمہیں اس ممی کے بارے میں بتاتا ہوں۔ اس کو چار ہزار سال پہلے حنوط کیا گیا تھا۔ لیکن یہ اب تک اتنی اچھی حالت میں ہے جیسے کل ہی اس کی موت واقع ہوئی ہو"

اسمتھ نے ایک ڈاکٹر کی نظر سے ممی کو دیکھا۔ اس کا چہرہ بے رنگ لیکن مکمل تھا۔ اس کی اخروٹ کی طرح کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں۔ منہ کی جلد رخسار کی ہڈیوں پر کسی ہوئی تھی اور کالے سیاہ بال کانوں پر پڑے ہوئے تھے۔ اس کی پسلیوں کے اوپر جلد بالکل باریک کاغذ جیسی تھی اور نچلے حصے پر حنوط کرنے والے نے صدیوں پہلے جو مہر لگائی تھی وہ ویسے ہی تھی۔ ہلکے پیلے رنگ کی پٹیوں نے ٹانگوں کو ڈھانپا ہوا تھا اور کوئی حنوط کرنے والی دوائی اس کے سارے جسم پر چھڑکی ہوئی تھی۔

بلنگھم بولا "یہ لاش چھ فٹ سات انچ لمبی ہے۔ مجھے اس کا نام نہیں معلوم لیکن میں اسے دو سو انچاس نمبر کہتا ہوں۔ کیوں کہ جس نیلام گھر سے میں نے اسے خریدا تھا وہاں اس پر یہی نمبر لکھا ہوا تھا"۔

لی نے نفرت سے ممی کو دیکھا اور ہلکا سا کانپ گیا۔ بلنگھم کے ہونٹ بھی کپکپائے اور ہاتھوں میں بھی لرزش ہوئی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ چاہتے ہوئے بھی ممی پر سے اپنی نظریں نہیں ہٹا سکتا۔ پھر وہ چلایا "تم دونوں ابھی تک یہاں ہو۔ جاتے کیوں نہیں"

"اوہ! ہاں ہمیں جانا چاہیے" اسمتھ نے صوفے سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو کوئی ایسا مضمون چنتا جس کے پڑھنے سے دماغ پر بوجھ نہ پڑتا"۔ لی نے کہا۔

"لیکن میں ایسا نہیں ہوں۔ میں اس سے پہلے بھی لاشوں کو پڑھ اور جانچ چکا ہوں"۔

"لیکن اب تو تم بے ہوش ہو گئے تھے" لی نے کہا

"ہاں ہوا تھا لیکن اب میں اعصابی دباؤ سے بچنے کے لیے دوا لیا کروں گا" پھر بلنگھم لی سے منت بھرے لہجے میں کہنے لگا۔ "لی! اگر تم برا نہ مانو تو میں صرف آج کی رات تمہارے کمرے میں سو جاؤں"۔ پھر اسمتھ سے بولا۔ "شب بخیر! اسمتھ میں معافی چاہتا ہوں کہ تمہیں اپنی بے وقوفی سے پریشان کیا"۔

اس عجیب و غریب واقعہ کے بعد بلنگھم اور اسمتھ کی واقفیت ہو گئی۔ اسمتھ بلنگھم سے بہت زیادہ متاثر تھا۔ کیوں کہ وہ اسمتھ کے پاس میڈیکل کی کتابیں، میگزین اور اخبارات لینے کے لیے اکثر آتا تھا اور گھنٹوں اس کے ساتھ قدیم مصر پر باتیں کرتا تھا۔ بلنگھم کے بارے میں اسمتھ کی رائے یہ تھی کہ وہ بہت ذہین ہے لیکن اس ذہانت اور ہوشیاری کے باوجود وہ ہلکا سا جنونی بھی لگتا ہے۔ اس نے یہ بھی غور کیا تھا کہ بلنگھم کو بڑبڑانے اور خود سے باتیں کرنے کی عادت ہے اور وہ راتوں کو اتنا شور مچاتا ہے کہ اسمتھ کی توجہ اپنے کام اور پڑھائی سے ہٹ جاتی ہے۔ اس نے جب بلنگھم سے بات کی تو وہ صاف مکر گیا اور ناراض ہو گیا۔ مگر ٹام اسٹائلز آکسفورڈ ہاسٹل کا بوڑھا ملازم جو ان تینوں کے کمروں کی صفائی اور دیکھ بھال کرتا تھا، نے بھی وہی کچھ بتایا۔ اس نے ایک صبح بلنگھم کے بارے میں اسمتھ کے کمرے کی صفائی کرتے ہوئے پوچھا۔ "جناب! کیا آپ کے خیال میں مسٹر بلنگھم بالکل ٹھیک ہے؟"

"یقیناً بالکل ٹھیک ہے اور کیوں نہیں ہو گا بھئی" اسمتھ بولا۔

"جناب! وہ اب ایسا نہیں رہا جیسے پہلے کبھی ہوتا تھا۔ وہ اپنے آپ سے جانے کیا کیا باتیں کرتا ہے۔ معلوم نہیں اسے کیا ہو گیا ہے؟"

"اسٹائلز! یہ جاننا تمہارا کام نہیں" اسمتھ نے کہا۔

"بالکل جناب! لیکن سب سے زیادہ حیرت تو اس وقت ہوتی ہے کہ اکثر جب بلنگھم اپنے کمرے کو باہر سے تالا لگا کر باہر جاتا ہے تو اس کے کمرے سے شور کی آوازیں آتی ہیں" اسٹائلز نے بات جاری رکھی۔

"یہ تو تم بالکل فضول باتیں کر رہے ہو" اسمتھ نے کہا۔

"نہیں جناب میں نے کئی بار اپنے کانوں سے سنا ہے" اسٹائلز نے

کہا۔

"جھوٹ" اسمتھ بولا۔

"اچھا! جناب اگر آپ کو میری ضرورت پڑے تو گھنٹی بجا دیجئے گا" آخر کار اسٹائلز نے ہار مان لی۔ اسمتھ سارا دن کام میں مصروف رہا لیکن رات بھر اسے ٹام اسٹائلز کی باتیں یاد آتی رہیں۔ پھر ایک دن جب بلنگھم اسمتھ کے کمرے میں بیٹھا اسے مصریوں کے مقبروں کے بارے میں بتا رہا تھا اس وقت اس نے بلنگھم کے کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز سنی۔

"بلنگھم لگتا ہے کوئی تمہارے کمرے میں گیا ہے یا باہر نکلا ہے" اسمتھ نے خیال ظاہر کیا۔

"لیکن میں نے تو اسے تالا لگایا تھا"۔ بلنگھم اچھل پڑا اور تیزی سے نیچے کی طرف بھاگ گیا۔ اسمتھ کو آواز سنائی دی کہ بلنگھم نے آدھی سیڑھیوں تک جا کر کسی کو روکا ہے۔ پھر سرگوشیوں کی آواز آئی۔ اس کے بعد ایک لمحے بعد دروازہ زور سے بند کرنے اور چابی گھما کر تالا لگانے کی آواز آئی۔ اس کے بعد بلنگھم واپس اسمتھ کے کمرے میں آگیا۔ اس کا چہرہ پیلا زرد ہو رہا تھا اور اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نظر آرہے تھے۔ "کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ میرا کتا تھا۔ اس نے زور سے دروازے کو دھکیل کر کھول لیا ہوگا" بلنگھم بولا۔

اسمتھ غور سے بلنگھم کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"کمال ہے مجھے تو معلوم ہی نہیں تمہارے پاس کتا بھی ہے"۔

"ہاں ہے تو..... لیکن میں دروازے کو تالا لگانا بھول گیا تھا" بلنگھم کپکپا رہا تھا۔

"کیوں بھئی! دروازہ ویسے ہی بند کر دینا کافی تھا"۔ اسمتھ نے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اسٹائلز نے اسے غلطی سے باہر نکال دیا ہوگا۔ وہ بہت قیمتی کتا ہے اس لیے میں اسے کھونا نہیں چاہتا" بلنگھم بولا۔

اسمتھ نے بلنگھم سے کہا "میں کتوں کے بارے میں تھوڑا بہت جانتا ہوں۔ کیا میں تمہارا کتا دیکھ سکتا ہوں"۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں لیکن آج نہیں کیوں کہ آج شام مجھے کسی سے ملنے جانا ہے۔ اچھا بہت دیر ہو گئی ہے اب میں چلتا ہوں" یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ اسمتھ نے اس کے جانے کے بعد کمرے کو اندر سے تالا لگانے کی آواز سنی اور شام تک وہ باہر ہی نہ نکلا۔ اسمتھ جانتا تھا کہ بلنگھم نے اس سے دونوں بار جھوٹ بولا ہے۔ سیڑھیوں میں سنائی دینے والی قدموں کی چاپ کسی جانور کی نہیں تھی۔ پھر اسمتھ اپنا کام کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اس کا دوست ہیٹی آگیا۔ وہ بھی طالب علم تھا۔

"یار، تم ابھی تک کام کر رہے ہو۔ میرا تو خیال ہے کہ اگر کسی دن زلزلہ آجائے اور ساری یونی ورسٹی تباہ ہو جائے تو تم تب بھی اس کے ملبے پر بیٹھے کتابیں پڑھتے رہو گے" ہیٹی نے آتے ہی کہا۔

"کیوں کیا کوئی خاص بات ہے؟" اسمتھ نے پوچھا۔

"کیا تم نے نارٹن کے بارے میں کچھ سنا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں" اسمتھ نے جواب دیا۔

"نارٹن پر جب وہ یونی ورسٹی کے گیٹ سے کوئی سو گز کے فاصلے پر تھا کسی نے قاتلانہ حملہ کیا تھا" ہیٹی نے بتایا۔

"کس نے حملہ کیا تھا" اسمتھ نے پوچھا۔

"نارٹن کہتا ہے کہ وہ حملہ آور کو نہیں پہچان سکا۔ اس کے اوپر کسی درخت سے کوئی گرا تھا۔ خوش قسمتی سے کسی راہ گیر کے گزرنے سے وہ بھاگ گیا' نارٹن اسے دیکھ نہیں سکا" ہیٹی نے بتایا۔

"ہو سکتا ہے وہ کوئی چور ہو" اسمتھ نے کہا۔

"ممکن ہے۔ لیکن اگر تمہارا پڑوسی بلنگھم سن لے کہ نارٹن پر حملہ کیا گیا تھا تو وہ یقیناً بڑا خوش ہو گا کیوں کہ وہ اور نارٹن ایک دوسرے سے بہت نفرت کرتے ہیں۔ پچھلی سردیوں میں ان میں بڑا زبردست جھگڑا ہو گیا تھا۔ جہاں تک میں بلنگھم کو جانتا ہوں وہ چھوٹی سی بات پر بھی کسی کو معاف نہیں کرتا"۔

ہیٹی کے جانے کے بعد اسمتھ بالکل کام نہ کر سکا۔ اس نے اپنی کتاب بند کر دی۔ پھر دس دنوں تک اسمتھ اور بلنگھم کی کوئی ملاقات نہ ہو سکی۔ وہ جب بھی دروازے پر دستک دیتا بلنگھم خاموشی سے کمرے میں بیٹھا رہتا۔ جیسے وہ اندر موجود ہی نہ ہو۔ لیکن ایک دن دوپہر کو جب اسمتھ جلدی جلدی سیڑھیاں اتر کر دریا کے کنارے ہونے والے کھیلوں کے مقابلے کو دیکھنے جا رہا تھا تو اس نے دیکھا' بلنگھم کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور لی غصے میں وہاں سے باہر نکلا۔ اس کے پیچھے پیچھے بلنگھم بھی باہر آگیا۔ وہ بولا۔ "لی! تمہیں مجھ سے معافی مانگنا ہو گی"۔

"ارے میں تو تمہاری شکل تک دیکھنا نہیں چاہتا" لی نفرت سے بولا۔

"اور اس وعدے کے بارے میں کیا خیال ہے..... تم نے وعدہ کیا تھا کہ تم کسی کو کچھ نہیں بتاؤ گے" بلنگھم نے کہا۔

"ہاں میں وہ وعدہ نبھاؤں گا۔ میرے ہونٹ سلے رہیں گے" لی نے جواب دیا۔

اسمتھ جلدی میں تھا۔ لہٰذا وہ ان کے جھگڑے میں مداخلت کئے بغیر چلا گیا لیکن اتنا اندازہ اسے ہو گیا تھا کہ بلنگھم نے لی کو ضرور کوئی تکلیف پہنچائی ہے مگر وہ کس چیز کے بارے میں زبان بند رکھنے کو کہہ رہا تھا یہ بات اسمتھ کی سمجھ میں نہ آسکی۔ اسمتھ ساری دوپہر دریا پر کھیلوں کے مقابلے دیکھتا رہا۔ جب وہ گھر جانے کا سوچ کر مڑا تو اسے اپنے کندھے پر کسی کا ہاتھ محسوس ہوا۔ وہ لی تھا۔

"اسمتھ میں تم سے کوئی ضروری بات کہنے آیا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ میں نے اپنا وہ کمرا چھوڑ دیا ہے اور یہاں دریا پر ہی میں نے ایک جھونپڑی کرائے پر لے لی ہے۔ اگر تم میری جگہ ہوتے تو تم بھی یہی کرتے"۔ لی یہ کہہ کر رک گیا۔

"مگر کیوں" اسمتھ نے حیرت سے پوچھا۔

"میں کچھ نہیں بتا سکتا۔ کیوں کہ میں نے کچھ نہ بتانے کا وعدہ کیا ہوا ہے لیکن یہ کہہ سکتا ہوں کہ بلنگھم کے نزدیک کوئی بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔ تمہاری بہتری بھی اسی میں ہے کہ تم بھی کہیں اور چلے جاؤ"۔

"کیا مطلب ہے لی؟" اسمتھ نے پوچھا۔

"میں نہیں بتا سکتا۔ آج میرا اور اس کا جھگڑا ہو گیا تھا۔ تم نے پاس سے گزرتے ہوئے سنا بھی تھا" لی نے بتایا۔

"ہاں مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ کوئی مسئلہ ہے" اسمتھ نے کہا۔

"اسمتھ' اس رات جب بلنگھم بے ہوش ہوا تھا مجھے اس وقت سے ہی اس پر شک تھا۔ لیکن جو کچھ مجھے آج معلوم ہوا ہے میں بہت خوف زدہ ہوں" لی نے بتایا تو اس کا چہرہ پیلا ہو رہا تھا۔

"لیکن لی! جب تک تم مجھے کوئی ٹھوس وجہ نہیں بتاؤ گے میں کیسے وہ کمرا چھوڑ کر کہیں اور جا سکتا ہوں۔ میں وہاں بڑے مزے سے رہ رہا ہوں اور بلنگھم یا کسی اور سے خوف زدہ نہیں ہوں" اسمتھ نے اطمینان سے کہا۔

"ٹھیک ہے' میں تو بس تمہیں بتا دینا چاہتا تھا"۔ لی نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا اور چل دیا۔

رات کو آٹھ بجے جب اسمتھ چہل قدمی کی غرض سے باہر جانے لگا تو اس کی نظر ایک کتاب پر پڑی۔ جو کافی دن پہلے اس نے بلنگھم سے لی تھی اور واپس کرنا بھول گیا تھا۔ اسے شرمندگی ہونے لگی۔ اس نے کتاب اٹھائی اور کمرا بند کر کے نیچے اتر کر بلنگھم کے کمرے کے سامنے آگیا۔ دروازے کو تالا نہیں لگا تھا۔ اس نے سوچا بلنگھم اندر ہی ہو گا۔ لہٰذا وہ دروازے کو کھٹکھٹانے لگا۔ لیکن کوئی جواب نہ ملا تو اس نے کتاب خود ہی اندر رکھنے کا فیصلہ کیا۔

اس نے سوچا اچھا ہے اس طرح بلنگھم سے ملنا نہیں پڑے گا۔ اسمتھ نے دروازہ کھولا اور کمرے میں میز پر کتاب رکھ دی۔

لیمپ کی روشنی بہت ہلکی تھی۔ لیکن پھر بھی کمرے کی ہر چیز صاف نظر آرہی تھی۔ سب کچھ ویسے ہی تھا جیسے اس نے پہلے دیکھا تھا۔ البتہ ممی کا تابوت دیوار کے ساتھ لگا تھا لیکن ممی اس میں موجود نہیں تھی۔ اس نے سوچا اگر بلنگھم اس سے کچھ چھپانا چاہتا ہے تو اسے بھی اس کی غیر موجودگی میں نہیں آنا چاہیے تھا۔ وہ دروازہ بند کر کے باہر نکل آیا۔

سیڑھیوں میں گھپ اندھیرا تھا۔ اسمتھ اندھیرے میں سنبھل سنبھل کر سیڑھیاں اتر رہا تھا کہ اسے لگا جیسے کوئی بہت قریب سے گزر کر گیا ہے۔ اسے نہایت ہلکی آواز آئی جیسے ہوا کی آواز ہو۔ پھر اس کی کہنی سے آہستگی سے کوئی چیز رگڑی گئی۔ اتنی آہستہ کہ اسے شک ہوا شاید ہوا ہی ہو۔ وہ رک کر کچھ سننے کی کوشش کرنے لگا۔ اندھیرے میں غور سے دیکھنے پر اسے سیڑھیوں کے ساتھ لگی بیل کے پتے ہوا میں ایک دوسرے سے ٹکراتے نظر آئے۔ اس کے علاوہ اسے اور کچھ بھی نظر نہ آیا۔

"اسٹائلز! کیا تم ہو"۔ وہ چلایا۔ لیکن اسے کوئی جواب نہ ملا۔ وہ ساری سیڑھیاں اترتے ہوئے بار بار چلاتا رہا۔ زمین پر آکر وہ یہی کچھ سوچ رہا تھا کہ دور سے کوئی اسے بھاگ کر اپنی طرف آتا نظر آیا۔ روشنی میں اس نے دیکھا' وہ ہیٹی تھا۔ وہ ہانپتے ہوئے بولا۔ "اسمتھ جلدی چلو۔ لی دریا میں گر گیا تھا۔ اسے باہر نکال لیا گیا ہے۔ وہ تقریباً نیم مردہ ہے۔ ڈاکٹر اس وقت کہیں گیا ہوا ہے۔ تم بھی تو ڈاکٹری پڑھ رہے ہو' میں تمہیں لینے آیا ہوں۔ لی کے پاس ہیر نگٹن ہے"۔

"اچھا میں اپنے کمرے سے ابتدائی طبی امداد والا تھیلا اور کچھ دوائیاں لے آؤں" یہ کہہ کر وہ بھاگم بھاگ اپنے کمرے میں آیا۔ مطلوبہ چیزیں اٹھا کر تیزی سے سیڑھیاں اتر رہا تھا کہ بلنگھم کے کمرے کے پاس آتے ہی اس نے جو کچھ دیکھا اُس سے اس کے قدم وہیں رک گئے۔ اس نے بلنگھم کے کمرے کا دروازہ بند کیا تھا۔ لیکن اب وہ پورا کھلا تھا۔ جب اسمتھ کمرے میں گیا تھا تو وہاں ممی کا دیوار کے ساتھ لگا ہوا تابوت خالی تھا لیکن اب ممی اپنے تابوت میں موجود تھی اور اس کا منہ دروازے کی طرف تھا۔ ممی زندگی سے محروم تھی لیکن اسمتھ نے جیسے ہی اسے غور سے دیکھا' ممی میں اسے زندہ آدمیوں جیسی طاقت محسوس ہوئی۔ ممی کی بند آنکھیں اسے جان دار سی لگیں۔

ہیٹی نے چلا چلا کر اسمتھ کو نیچے جانے پر مجبور کر دیا۔

"جلدی کرو اسمتھ لی کو بچانے کی کوشش کرو"۔

وہ بھاگ کر نیچے اترا اور پھر دونوں تیز تیز بھاگتے ہوئے لی کی جھونپڑی میں پہنچ گئے۔ لی صوفے پر بے ہوش پڑا تھا۔ اس کے کپڑے گیلے تھے اور اس کے منہ سے جھاگ بہ رہا تھا۔ اس کا دوست ہیر نگٹن اس کی ہتھیلیاں رگڑ رہا تھا۔ اسمتھ نے اس کا سانس چیک کیا اور کہا۔ "یہ ابھی زندہ ہے۔ ہیٹی تم اس کا ایک بازو پکڑ لو اور جیسے میں کہوں ویسے کرو"

دس منٹ تک چپ چاپ وہ تینوں اسے ابتدائی طبی امداد پہنچاتے رہے۔ جس کے بعد لی کے جسم میں تھوڑی سی حرکت ہوئی۔ اس کے ہونٹ کانپے اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ تینوں اس پر خوشی سے چلا اٹھے۔

"اب اٹھ بیٹھو یار' تم نے تو ہمیں ڈرا ہی دیا تھا" ہیر نگٹن بولا۔

"اسے پہلے دوا پلاؤ پھر یہ ہمیں بتائے گا کہ اسے کیا ہوا تھا"۔ ہیٹی کہنے لگا۔

"ہم دونوں یہاں بیٹھے پڑھ رہے تھے کہ اچانک یہ دریا پر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے چیخ کی آواز سنی اور پانی کا چھپاکا سنا۔ لی دریا میں گر چکا تھا۔ جتنی دیر میں اسے باہر نکالا یہ ادھ موا ہو گیا تھا"۔ ہیر نگٹن نے وضاحت کی۔

لی اتنی دیر میں ہاتھوں پر اوپر کو اٹھنے لگا "مجھے کیا ہوا تھا؟ آہ یاد آگیا۔ اب مجھے یاد آگیا..... افوہ پانی میں....." یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں خوف اتر آیا۔

"تم گرے کیسے تھے؟" ہیر نگٹن نے پوچھا۔

"میں گرا نہیں بلکہ مجھے گرایا گیا تھا۔ کسی نے مجھے پیچھے سے آکر پکڑا اور اونچا اٹھا لیا۔ پھر مجھے دریا میں اچھال دیا میں نے کچھ بھی دیکھا یا سنا نہیں لیکن پھر بھی مجھے معلوم ہے وہ کون تھا"۔

"اور مجھے بھی معلوم ہو گیا ہے وہ کون تھا" اسمتھ نے سرگوشی کی۔

"بھئی یہ باتیں تم دونوں اس کے ٹھیک ہونے کے بعد کر

لیناقی الحال اس کو آرام کرنے دیا جائے"۔ ہیٹی نے کہا اور پھر دونوں ہر نگٹن کو لی کے پاس چھوڑ کر اپنے اپنے ٹھکانوں پر چل دیئے۔ اسمتھ نے راستے میں ہیٹی کو کچھ بھی نہ جتایا کیوں کہ اسے یقین تھا کہ ہٹی کہے گا کہ ممی کی غیر موجودگی اس کی آنکھوں کا دھوکا تھی اور لی اچانک دریا میں گر گیا تھا اور سیڑھیوں میں جو آواز آئی تھی وہ ہوا کی تھی۔ اسمتھ جان چکا تھا کہ بلنگھم ایک شیطان صفت آدمی ہے اور وہ اپنے سینے میں قاتل کا دل رکھتا ہے اور ایسے ہتھیار سے شکار کرتا ہے جو اس سے پہلے کسی نے بھی استعمال نہ کیا ہو۔ ہٹی کے جانے کے بعد اسمتھ لان عبور کرتا ہوا سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ جیسے ہی وہ بلنگھم کے کمرے کے سامنے سے گزرا بلنگھم نے دروازہ کھولا اور بڑی نرمی سے بولا "کیا میرے کمرے میں نہیں آؤ گے؟"

"نہیں" اسمتھ غصیلے لہجے میں بولا۔

"اوہ میں تو تم سے لی کے بارے میں پوچھنا چاہتا تھا۔ سنا ہے اس کے ساتھ کوئی حادثہ ہو گیا ہے"۔ اگرچہ اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی لیکن انداز تمسخرانہ تھا۔

"جی ہاں لیکن تمہیں یہ سن کر دکھ ہو گا کہ اس کی حالت اب خطرے سے باہر ہے۔ تمہارا منصوبہ ناکام ہو چکا ہے اور اب میں بھی تمہارے بارے میں جان چکا ہوں" اسمتھ نے کہا۔

بلنگھم ایک قدم پیچھے ہٹ گیا اور آدھا دروازہ بند کر کے بولا۔ "کیا مطلب ہے تمہارا..... میرا تو اس بات سے کوئی تعلق نہیں"۔

"بات سنو بلنگھم! سب کچھ تم ہی کر رہے ہو۔ میرا مطلب ہے تم اور تمہارے پیچھے یہ جو ہڈیوں کا ڈھیر ہے تم دونوں..... اگر تم سے متعلق کسی شخص کی موت واقع ہوئی تو میں تمہیں جیل میں بند کروا دوں گا۔ اگر قانون نے تمہیں پھانسی نہ دی تو یہ کام میں خود کروں گا"۔

"تم تو پاگل ہو گئے ہو" یہ کہتے ہوئے بلنگھم نے زور سے دروازہ بند کر لیا۔

اسمتھ کمرے میں جا کر کپڑے بدل کر اور لیمپ بجھا کر سو گیا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد کسی آواز سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ کمرے میں کوئی تھا جس کے سانس لینے کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ اسمتھ کے ہاتھ پیر خوف سے ٹھنڈے یخ ہو گئے۔ تب اندھیرے میں اسے دو چمک دار آنکھیں دکھائی دیں۔ وہ آنکھیں اس کے قریب تر ہوتی گئیں اور پھر پنجے نما انگلیوں نے بستر کو ٹٹولنا شروع کر دیا۔ شاید اسے اسمتھ کے چہرے کی تلاش تھی۔ اگلے ہی لمحے اس کی زندگی اور موت کا فیصلہ ہونے والا تھا۔ اس نے اپنی تمام تر ہمت جمع کی اور زور دار آواز میں چلانے لگا۔ اس کے ساتھ ہی دروازہ کھولنے کی آواز سنائی دی اور پھر دروازہ اتنی زور سے بند کیا گیا کہ پرانی عمارت تھر تھرا اٹھی۔ اسمتھ نے کپکپاتے ہاتھوں سے لیمپ جلایا۔ اسٹائلز بھاگتا ہوا اندر داخل ہوا۔

"اسٹائلز! کیا تم نے سیڑھیوں میں سے کسی کو جاتے دیکھا ہے"۔ اسمتھ نے کم زور سی آواز میں پوچھا۔

"نہیں جناب! میں نے آپ کی چیخیں سنیں پھر بتی جلتی دیکھی تو یہاں آ گیا" اسٹائلز نے بدحواسی سے کہا۔

"کوئی میرے کمرے میں آیا تھا اور مجھے بس مارنے ہی والا تھا"۔

"اچھا جناب' میں مسٹر بلنگھم کے ساتھ اسے ڈھونڈنے کی کوشش کرتا ہوں" پھر اسٹائلز چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد آ کر بولا۔ "جناب مسٹر بلنگھم کے کمرے سے حسب معمول آوازیں آ رہی ہیں۔ میں انہیں کیسے بلاؤں۔ آپ ایسا کریں دوبارہ سونے کی کوشش کریں۔ آپ نے شاید کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہے"۔ اسٹائلز یہ کہہ کر واپس چلا گیا۔

اسمتھ نے دروازے کو اندر سے تالا لگایا اور ساری رات خوف سے سو نہ سکا۔ اگلی صبح ہر نگٹن نے آ کر اسے لی کی اچھی ہوتی ہوئی صحت کے بارے میں بتایا۔ شام کو اسمتھ گھر سے باہر چہل قدمی کے لیے نکلا۔ چاند کی روشنی چھن چھن کر درختوں سے آ رہی تھی۔ چلتے چلتے اچانک اسے اپنی پشت پر کوئی سایہ سا نظر آیا۔ اسمتھ سرپٹ بھاگنے لگا۔ سایہ قریب تر ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ اس کے نرخروں سے خون خوار آوازیں آنے لگیں۔ اسمتھ بھاگتے بھاگتے ڈاکٹر ہٹرسن کے گھر پہنچ گیا۔ اس نے دروازہ دھکیلا' اندر آیا اور دروازے کی چٹخنی چڑھا دی اور نیم بے ہوش سا دروازے کے ساتھ بیٹھ گیا۔

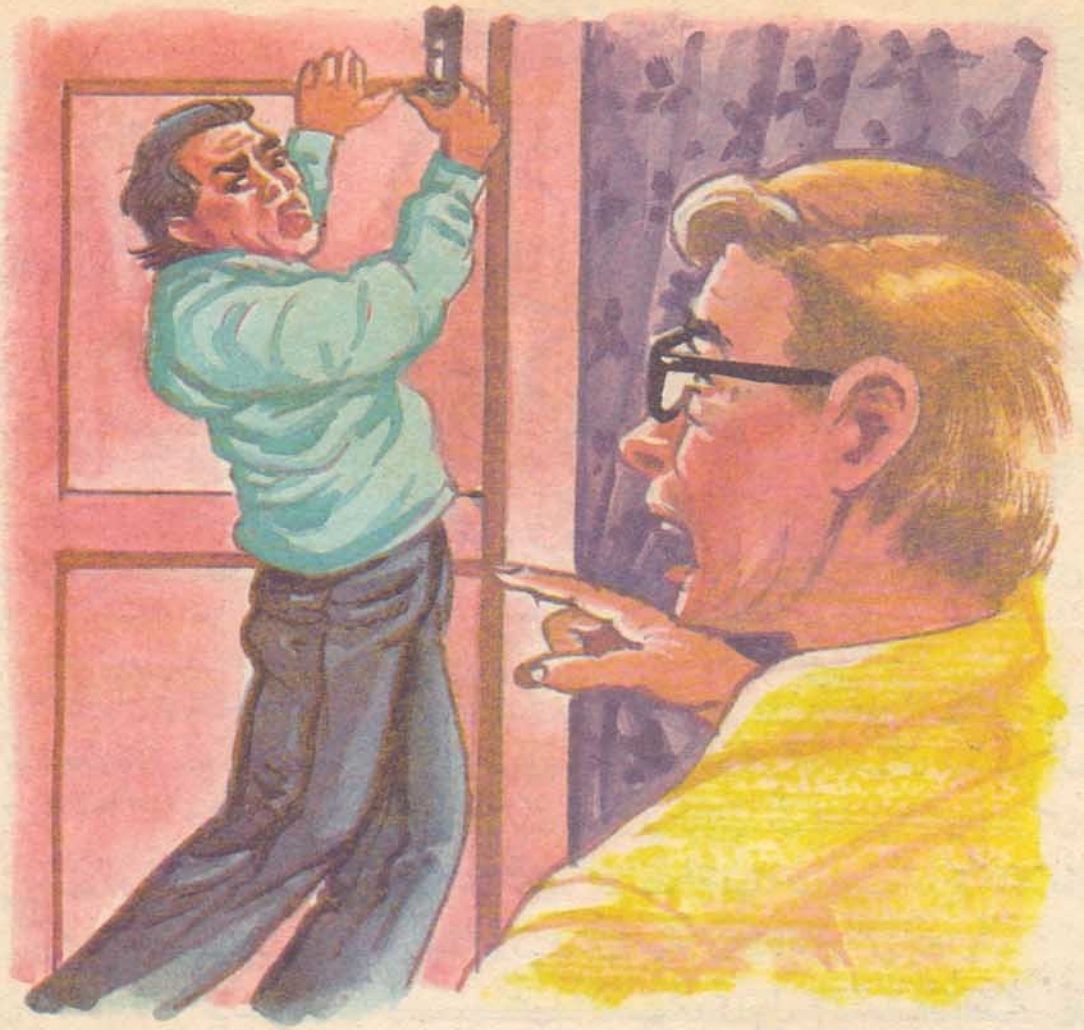

"اسمتھ! کیا ہوا؟" ڈاکٹر ہٹیر سن نے حیرت سے پوچھا۔

"پہلے پانی پلا دو"۔

ڈاکٹر نے اسے پانی پلایا اور پوچھا۔ "ہاں' اب بتاؤ کیا ہوا ہے؟"

"کیا آج رات میں یہاں سو سکتا ہوں۔ میں اس راستے سے اتنے اندھیرے میں واپس نہیں جا سکتا" اسمتھ کا رنگ پیلا زرد ہو گیا تھا۔

"ہاں کیوں نہیں مگر بتاؤ تو کیا ہوا ہے؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔

اسمتھ نے اسے اس وقت جب وہ پہلی بار بلنگھم کے بے ہوش ہونے پر اس کے کمرے میں گیا تھا' سے لے کر اب تک کے تمام واقعات بتا دیئے۔

"تو اس کا مطلب ہے کہ بلنگھم نے کسی طرح پرانی ممی میں تھوڑی دیر کے لیے جان ڈالنا سیکھ لیا ہے اور اب وہ اسے اپنے خاص مقاصد کے لیے استعمال کر رہا ہے یعنی لی کو اور تمہیں مارنے کے لیے" ڈاکٹر نے کہا۔

"ہاں ہاں' ایسے ہی..... وہ جس کسی سے لڑتا ہے اس پر حملہ کروا دیتا ہے۔ ہماری خوش نصیبی کہ ہم بچ گئے" اسمتھ نے کہا۔

"لیکن تم یہ سوچو جب تمہارے پاس کوئی ٹھوس ثبوت ہی نہیں ہے تو پھر پولیس تو یہ باتیں سن کر ہنسے گی"۔

"ہاں میں نے اس کا بھی ایک طریقہ سوچ لیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ میں نے جو کچھ بھی تمہیں بتایا ہے وہ لکھ دوں گا اور تم بطور گواہ اس پر اپنے دستخط کرو گے اور اس پر تاریخ بھی لکھو گے۔ یاد رکھو تاریخ لکھنا بے حد ضروری ہے" اسمتھ نے کہا۔

"وہ کیوں" ڈاکٹر ہٹر سن نے پوچھا۔

"کیوں کہ میں جو کرنے جا رہا ہوں اس کے نتیجے میں میں گرفتار بھی ہو سکتا ہوں اور میری گرفتاری کے بعد تم اسے بطور گواہ پیش کرو گے"۔

اگلی صبح اسمتھ نے ایک ریوالور اور گولیاں خریدیں۔ پھر اس نے چھ گولیاں ریوالور میں ڈالیں اور اسے لوڈ کر کے اپنے اوور کوٹ کی جیب میں ڈال لیا۔ پھر ہٹی کے گھر گیا اور اس سے کہنے لگا۔ ہٹی جو میں کہوں وہ کوئی سوال کئے بغیر کرو۔ مجھے کوئی تیز دھار والا چاقو دے دو اور خود ایک بڑا سا مضبوط ڈنڈا پکڑ کر بلنگھم کے کمرے کے باہر کھڑے ہو جاؤ۔ اگر میرا مقابلہ صرف بلنگھم سے ہوا تو ٹھیک ہے۔ تب مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہو گی لیکن اگر تم میری چیخ کی آواز سنو تو میری مدد کے لیے آ جانا" یہ کہہ کر اسمتھ بلنگھم کے کمرے کے سامنے چلا گیا۔ اس نے دروازہ دھکیلا اور کھول کر اندر چلا گیا۔ بلنگھم جھکا ہوا کچھ لکھ رہا تھا۔ اسمتھ چپ چاپ آتش دان کے قریب چلا گیا۔ پھر اس نے دیا سلائی سے آتش دان میں آگ

جلائی۔ بلنگھم نے غصے اور حیرت سے اسے دیکھا۔ "اوہ تم! آؤ آؤ!!" اس نے کہا لیکن اسمتھ نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بیٹھ گیا اور اس نے اپنی گھڑی اتار کر بلنگھم کے سامنے میز پر رکھ دی۔ ریوالور ہاتھ میں پکڑا اور بلنگھم کو تیز دھار چاقو پکڑاتے ہوئے کہا "اب یہ کرو کہ اس ممی کو کاٹ ڈالو"۔

"اوہ، تو یہ بات ہے" بلنگھم چیخا۔

"بالکل! یہ بات ہے۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ قانون تمہیں پکڑ نہیں سکتا۔ لیکن میرا اپنا قانون تمہیں پکڑ سکتا ہے۔ میں تمہیں صرف ایک منٹ دیتا ہوں۔ اگر تم نے ممی کو چاقو سے کاٹنا نہ شروع کیا تو میں تمہیں گولی مار دوں گا"۔

یہ سن کر بلنگھم کا رنگ پیلا زرد ہو گیا۔ "لیکن کیوں"۔

"اس لیے کہ میں تمہارے یہ شیطانی کارنامے ختم کروانا چاہتا ہوں"۔

"میں نے کیا کیا ہے؟ تم پاگل ہو گئے ہو۔ میں اپنی دولت کیوں تباہ کروں۔ یہ بہت قیمتی ممی ہے" بلنگھم نے اس سے کہا۔

"تمہیں اسے کاٹ کر آگ میں جھونکنا ہو گا" اسمتھ نے کہا۔

"میں یہ نہیں کروں گا" بلنگھم اڑ گیا۔

اسمتھ نے ریوالور کا رخ بلنگھم کی کنپٹی کی طرف کر دیا۔ سکنڈ گزرنے کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ اسمتھ نے انگلی ٹریگر پر رکھ دی۔

"ٹھہرو! تم جو کہو گے میں وہی کروں گا" بلنگھم چیخ کر بولا۔ اس نے چاقو پکڑا اور ممی کے جسم کو کاٹنا شروع کر دیا۔ ہر وار پر ممی کا جسم کٹتا رہا اور اس سے عجیب سے مسالے نکل کر گرنے لگے اور پھر جب چاقو نے اس کی ریڑھ کی ہڈی کو کاٹا تو وہ سارا ہڈیوں کا ڈھیر بن کر زمین پر آ رہا۔

"اب اسے آتش دان میں آگ پر رکھ دو" اسمتھ نے حکم دیا۔

بلنگھم نے ایسا ہی کیا۔ سارے کمرے میں اتنی شدید بدبو پھیل گئی تھی کہ سانس لینا مشکل ہو گیا تھا۔ تقریباً پونے گھنٹے کے بعد بلنگھم بولا۔ "اب تو تم مطمئن ہو گئے ہو"۔

"نہیں میں سارا کام ختم کر کے ہی مطمئن ہوں گا۔ چلو اب ان پودوں اور پتوں کو بھی جلاؤ۔ ان کا تعلق بھی اسی چیز سے ہے" اسمتھ نے کہا۔

بلنگھم نے انہیں بھی آگ میں پھینک دیا اور بولا "اب تو ٹھیک ہے نا؟"

"نہیں وہ کاغذ بھی جلاؤ جو تم بے ہوش ہونے والی رات پڑھ رہے تھے"

"نہیں نہیں، خدا کے لیے اسے مت جلاؤ۔ تمہیں نہیں معلوم کہ تم کیا کہہ رہے ہو" بلنگھم چلایا۔

"جلدی سے یہ دراز کھولو۔ تم نے اس رات اسے اسی دراز میں رکھا تھا" اسمتھ نے بارعب لہجے میں کہا۔

"نہیں اسمتھ میں یہ سب تمہیں بھی سکھا دوں گا۔ میں تمہیں اس کا ترجمہ کر دوں گا۔ پھر ہم دونوں مل کر جسے چاہیں گے مار ڈالیں گے اور جتنی چاہیں گے دولت اکٹھی کر سکیں گے اور....." لیکن اسمتھ کے غضب ناک چہرے کو دیکھ کر پھر وہ بولا۔ "اچھا ٹھہرو پہلے میں اس کو کسی اور کاغذ پر نقل کر لوں"۔

لیکن اسمتھ نے خود ہی چابی لگا کر دراز کھولا اور پھر پیلا کاغذ آگ میں پھینک دیا۔ بلنگھم چیختا ہوا آگ کی طرف لپکا اور اس کی طرف ہاتھ بڑھا کر کاغذ نکالنے لگا۔ لیکن اسمتھ نے اسے کالر سے دبوچ لیا اور کاغذ مکمل جل جانے تک اسے پکڑے رکھا۔ پھر بولا۔ "بلنگھم صاحب! میرا خیال ہے کہ اب تمہارے سارے شیطانی کھیل ختم ہو گئے ہیں۔ اگر مجھے پتا چلا کہ تم نے یہ سب دوبارہ سے شروع کر دیا ہے تو میں بھی یہ سب کچھ دوبارہ کرنے آؤں گا۔ اب میں چلتا ہوں۔ میری پڑھائی کا وقت ہو گیا ہے"۔

اس نے بلنگھم کو اکیلا چھوڑ کر دروازہ زور سے بند کیا اور نہایت خوشی سے سیڑھیاں اتر کر نیچے آیا۔ جہاں ہٹی اس کا منتظر تھا۔ اس وقت اس کے چہرے پر برائی کو روکنے اور ختم کرنے کی فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔ جب کہ اندر کمرے میں بلنگھم آگ کے پاس بیٹھا رو رہا تھا۔ آگ نے اس کے شیطانی ہتھیار جلا کر بھسم کر ڈالے تھے۔ شیطانی قوت نہایت بے بسی سے جل چکی تھی اور وہاں ممی کی ٹوٹی پھوٹی جلی ہوئی ہڈیوں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا (آرتھر کونن ڈوئل کی کہانی دی ممی کی تلخیص و ترجمہ)

خالی جگہ پر کیجئے اور 450 روپے کی کتابیں لیجئے۔

ایک سے زائد اور سات سے کم حل موصول ہونے کی صورت میں انعام مساوی مالیت میں دیئے جائیں گے۔ سات یا سات سے زیادہ حل موصول ہونے کی صورت میں فیصلہ بذریعہ قرعہ اندازی ہوگا اور چھ انعام بالترتیب 100, 90, 80, 70, 60 اور 50 روپے کی مالیت کی کتابوں کے دیئے جائیں گے۔

یہ جملے اسی شمارے میں چھپی ہوئی عبارت سے لیے گئے ہیں۔

1- پاکستان کے وزیراعظم۔۔۔۔۔ امریکا کے دورے پر گئے تو صدر امریکا نے ہوائی اڈے پر آکر ان کا استقبال کیا تھا۔

2- پانی قدرتی گڑھوں میں ملتا ہے جن کو ----- کہا جاتا ہے۔

3- ہمارے ملک میں یہ بات حیرت کی ہے لیکن ----- میں یہ عین معمول کی بات ہے۔

4- ----- کو حکم ہے کہ وہ رات کو اجنبی کو دیکھ کر پوچھے بغیر گولی کا نشانہ بنادیں۔

5- اس کو اس وقت یہ کھانا ----- ہر چیز سے زیادہ لذیذ محسوس ہوا۔

6- ----- کی خاطر اپنی ذمہ داری سے نہیں بھاگنا چاہیے۔

7- سطح جس قدر غیر ہموار ہوگی اتنی ہی تیز رفتاری سے ---- بھاگ سکے گا۔

8------ عربی زبان میں پرانی چیز کو کہتے ہیں۔

9- کہانیوں والی ----- کوئی ان پڑھ تھوڑی ہوتی ہیں۔

10- کیوں کہ آپ ----- ہیں اور مجھے یہ خطرہ ہے کہ کہیں ملک ہی ہاتھ سے نہ نکل جائے۔

جوابات علمی آزمائش ستمبر 2000ء

(1) موت (2) کمانڈو ٹریننگ (3) مسلمان (4) بن مانس (5) بھونک (6) سیانا (7) اجاڑ میدان (8) پھیپھڑے (9) پاکستان (10) انسان۔

اس ماہ 3595 ساتھیوں کے بالکل درست حل موصول ہوئے۔ ان میں سے ان 6 ساتھیوں کو بذریعہ قرعہ اندازی انعام دیئے جارہے ہیں۔

☆ پہلا انعام: صباحت گل، بہاول پور۔
☆ دوسرا انعام: سیدہ رابعہ نقی شاہ خان پور۔
☆ تیسرا انعام: شہباز افضل، سندھیلیاں والی۔
☆ چوتھا انعام: ابرار احمد، اسلام آباد۔
☆ پانچواں انعام: طاہر جمیل احمد، سرگودہا۔
☆ چھٹا انعام: عظمیٰ بخاری جنگل خیل۔

ان ساتھیوں کے نام بذریعہ قرعہ اندازی شائع کئے جارہے ہیں:۔ سلیمان خالد جہلم۔ محمد رفیق احمد کراچی۔ فاطمہ رحمان سرگودھا۔ وردہ سید ملتان۔ حرا رحیم کراچی۔ حنا فاروق راول پنڈی۔ محمد تابش خان گوجرانوالہ۔ علینہ مرتضیٰ لاہور۔ عبدالولی خان مینگورہ۔ عمارہ رحمان پتوکی۔ محمد سعید شاہ درہ۔ عبداللہ تسلیم سرگودھا۔ محمد شائق بشیر روہڑی۔ مریم بابر علی گوجرانوالہ۔ ثمینہ صدف تھروڈانہ۔ آصف بشیر پشاور۔ محمد عامر اسلم لاہور۔ ثمینہ نور واگھو۔ اثنیہ طارق جہلم۔ محمد عبدالرحمان جہلم۔ محمد راشد جاوید ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ نداز ہرہ نقوی اٹک۔ محمد آصف خان سرگودھا۔ مدثر حسین جھنگ۔ تنویر مسعود لاہور۔ فاطمہ سارہ کراچی۔ محمد عثمان خان حیات آباد۔ سید ریحان عباس لاہور۔ مدیحہ صدیقی لاہور۔ حفصہ اقبال لاہور۔ فرحان آصف کہوٹہ۔ سائرہ صداقت راول پنڈی۔ رخسار مظہر رحیم یار خان۔ عاصم شہزاد ہاشمی بنوں۔ آمنہ خرم خان لاہور۔ خلیل احمد ملک فیصل آباد۔ زوہیب رفیق راول پنڈی۔ عمارہ جہاں گیر عباسی ظاہر پیر۔ محمد عمران خان بہاول نگر۔ اسلم خان آمین کلہ۔ اسامہ شاہد اسلام آباد۔ صفوان شاہد لاہور۔ شعیب اقبال راؤ لاہور۔ عطاء الرحمان حیدر آباد۔ حرا پرویز پشاور۔ رقیہ کلثوم انجم لاہور۔ ماریہ روشین کندیاں۔ ملک محمد عمار سمندری۔ محمد حسن علی چنیوٹ۔ حبیب اشرف ملک ہری پور۔ شیما اختر لاہور۔ ثوبیہ رشید لاہور۔ حافظ عمران شہزاد حسن ابدال۔ محمد جاوید دندہ شاہ بلاول۔ سید وسیم شاہ اسلام آباد۔ کوثر شبیر راہ والی۔ عنبر محمود اسلام آباد۔ ساجد علی تبسم بہاول پور۔ محمد ظفر اللہ خان رٹہ۔ ناصر احمد لاہور۔ منیبہ خلیل لاہور۔ رضوانہ نواز کنجاہ۔

ہر حل کے ساتھ کوپن چسپاں کرنا ضروری ہے۔ آخری تاریخ 7 اکتوبر 2000ء

دماغ لڑاؤ

نام: _____

مقام: _____

پتا: _____

_____

کھیلوں کی دنیا

قسط 12

کرکٹ کیا اور کیسے؟

این الطاف

کام یاب بلے بازی کے گر

ایک اچھا بلے باز بننے کے لیے کسی بھی کھلاڑی کو ان باتوں کا خیال ضرور رکھنا چاہیے۔

1- ذہن اور جسم کی مطابقت

کرکٹ میں دماغی اور جسمانی لحاظ سے ایک بلے باز کا صحت مند اور تن درست ہونا بہت ضروری ہے نیز یہ کہ ان دونوں صلاحیتوں کا آپس میں صحیح متوازن ہونا بھی ضروری ہے۔ دونوں میں سے کسی ایک صلاحیت کا بروقت بروئے کار نہ آنا کھیل میں نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔ یہ محض چند لمحوں کی بات ہوتی ہے جب گیند باؤلر کے ہاتھ سے نکل کر بلے باز تک پہنچ جاتی ہے۔ اس ذرا سی مدت میں ہی اس نے گیند کو مخصوص طرز سے کھیلنے کا فیصلہ کرنا ہوتا ہے اور جسم کو حرکت میں لا کر جسم کا تعاون حاصل کرنا ہوتا ہے۔ ذہن اور جسم کے بروقت مل کر عمل کرنے میں اگر ذرا بھی خامی رہ جائے تو وکٹ گر جانے کا خطرہ لاحق ہوتا ہے۔ ان چند لمحوں میں اس کی نظر اور دماغ گیند پر مرکوز ہونی چاہیے اور جسمانی حالت اس قدر اچھی ہونی چاہیے کہ مشین کی طرح جسم حرکت میں آکر اس جگہ پہنچ جائے جہاں دماغ اسے پہنچانا چاہتا ہو۔ اس مطابقت کو حاصل کرنے کے لیے متواتر اور مسلسل مشق کی ضرورت ہے۔

2- یک سوئی

یک سوئی بلے بازی کا بہت ضروری اور لازمی حصہ ہے۔ یہ کھلاڑی کے کھیل پر ہر زاویے سے اثر انداز ہوتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ آدھے سے زیادہ بلے بازی کا انحصار یک سوئی پر ہی مبنی ہوتا ہے۔ بلے بازی کے وقت سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ جب تک بولر کے ہاتھ سے نکل کر گیند بلے باز کے بلے سے نہ ٹکرائے اس کی نگاہ اور توجہ اس پر مرکوز رہے۔ اگر اس توجہ اور یک سوئی میں ذرا بھی فرق آجائے تو وکٹ گرنے کا خطرہ بہت زیادہ ہو جاتا ہے۔

3- تکنیک

یک سوئی کے بعد بلے بازی کا باقی حصہ تکنیک کا ہے۔ اگر بلے باز کی تکنیک میں کوئی خامی ہے تو وہ مسلسل مشق اور صحیح راہ

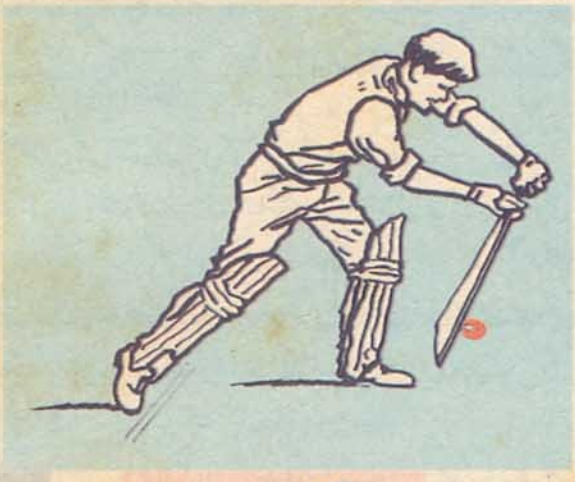

نمائی سے رفع ہو سکتی ہے۔

4- گیند کو سمجھنا

یہ فیصلہ کرنا کہ گیند پر کس قسم کا سٹروک کھیلا جائے' کھلاڑی کے تجربے پر منحصر ہے یا یہ کہ لیجئے کہ یہ گیند کو سمجھنے کی صلاحیت پر مبنی ہے۔ اس صلاحیت کو انگریزی میں "بال سینس" یا گیند کو بروقت پہچاننے کی نظر کہتے ہیں۔

5- ٹائمنگ

بلے باز کے لیے سٹروک کھیلنے کے لیے صحیح وقت پر بلے اور گیند کی ملاقات اشد ضروری ہے۔ اسے انگریزی میں یا کرکٹ کی زبان میں ٹائمنگ کہتے ہیں۔ بلے اور گیند کی صحیح ٹائمنگ لگاتار مشق' نگاہ و دماغ کے تعاون اور دیگر اعضا کی موافقت سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ تینوں چیزیں سٹروک کھیلتے وقت کھلاڑی کا ساتھ دیں اور ان کی ہم آہنگی اس قدر مکمل ہو کہ سٹروک کھیلنے میں کوئی خامی باقی نہ رہے تو ٹائمنگ کا صحیح طور پر حاصل ہونا کچھ مشکل نہیں۔ مگر ان سب باتوں کے لیے کھلاڑی کا جسمانی اور دماغی لحاظ سے مکمل طور پر تن درست ہونا لازمی ہے۔

6- اچھا فٹ ورک (پاؤں کا صحیح استعمال)

اکثر کھلاڑیوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ باؤلر کے ہاتھ سے گیند نکلنے سے قبل ہی وہ اپنے پاؤں اور جسم کو ایسی پوزیشن میں لے آتے ہیں کہ گیند کھیلتے وقت انہیں زیادہ ہلانے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اسے کرکٹ کی زبان میں ایک اچھا فٹ ورک کہا جاتا ہے۔ ایک اچھے کھلاڑی کو باؤلر کے ہاتھ سے نکلنے سے ذرا پہلے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ گیند کہاں گرے گی۔ کرکٹ میں پاؤں کی صحیح حرکت اسی قدر اہم ہے جس قدر نگاہ۔ کا ارتکاز خصوصاً ایسے کھلاڑیوں کے لیے جنہیں سٹروک کھیلنے کا شوق ہو ان کے لیے پاؤں کا صحیح استعمال کرنا بہت زیادہ اہم ہوتا ہے۔ چاہے بولر آہستہ گیند کرنے والا ہو یا تیز' فٹ ورک کو رواں اور کارگر رکھنے کے لیے جسم کا متوازن ہونا بہت ضروری ہے۔ یعنی بدن کا بوجھ دونوں پاؤں پر یکساں اور برابر رہے تاکہ کھیل کے دوران میں کھلاڑی کو حرکت کرنے میں رکاوٹ یا غیر آہنگی سی محسوس نہ ہو۔ فٹ ورک میں بدن کے پھرتیلے پن کا وافر حصہ ہے۔ پاؤں جس قدر پھرتی سے حرکت کر سکیں یہ کام اتنا ہی آسانی سے انجام دیا جا سکے گا۔ پاؤں کا صحیح وقت پر صحیح جگہ پہنچ جانا بلے بازی میں کامیابی کی دلیل ہے۔ باؤلر کے ہاتھ سے گیند نکلتے ہی پاؤں اس کو کھیلنے کے لیے جس قدر جلدی صحیح مقام پر پہنچ جائیں اس کے کھیلنے میں اتنی ہی آسانی اور آرام رہے گا۔ آہستہ گیند پھینکنے والے بولر کی گیند ہوا میں دیکھتے ہی بلے باز اپنی بیٹنگ لائن سے اس انداز میں گیند کے گرنے کے مقام پر گیند کی سمت کو لپکے جیسے اس کے پاؤں تلے مشین لگی ہوئی ہے جس نے بلے باز کو بلا تاخیر صحیح جگہ پر پہنچا دیا ہے۔

بلے بازی میں پاؤں کا صحیح استعمال ہر سٹروک کھیلنے میں یکساں کار آمد ہے۔ نہ صرف بلے بازی میں فٹ ورک کی اہمیت بہت زیادہ ہے بلکہ باؤلنگ میں بھی اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اگر بولر گیند کو ہوا میں ذرا زیادہ اسپن کرنے کے لیے پھینکے تو بلے باز کا اندازہ اتنا اچھا ہو کہ بلے باز کو بولر کے ہاتھ سے گیند کے نکلتے ہی معلوم ہو جائے کہ بلے باز اسے آگے نکل کر "والی" یا فل ٹاس بنا سکے گا یا وہ اپنی جگہ کھڑے کھڑے آرام سے کھیل سکے گا۔ آگے

بڑھ کر کھیلنے میں ایک سنہری اصول ذہن میں رکھئے کہ بلے باز کی نگاہیں گیند پر اور سر اپنی جگہ مکمل طور پر ساکت رہنا چاہیے۔

7-کلائیوں کی حرکت میں مہارت

پھر تیلے پن میں پاؤں کے علاوہ کلائیوں کا کرتب بھی شامل ہے۔ یہ کلائیوں ہی کی حرکت ہے جس سے بغیر زور لگائے محض اشارے کی مدد سے بلے باز گیند کی سمت کو تبدیل کر کے رنز بنا سکتے ہیں۔ لیگ سویپ" ہو یا لیٹ کٹ ان میں کلائیوں کی صلاحیت استادانہ ٹچ پیدا کر دیتی ہے۔

8- طبعی کیفیت (ٹمپرامنٹ)

یہ ایک فطری احساس ہے جس کا براہ راست تعلق ایک کھلاڑی کے دل و دماغ سے ہوتا ہے۔ اکثر نہایت عمدہ کھلاڑی اس کے فقدان کی وجہ سے کرکٹ میں اپنے صحیح مقام تک نہیں پہنچ سکتے۔ ایک اچھے کھلاڑی کے لیے اچھے ٹمپرامنٹ کا ہونا بہت ضروری ہے۔ بولر جب گیند پکڑ کر اپنے اسٹارٹ سے گیند پھینکنے کے لیے بلے باز کی طرف رخ کرے تو بلے باز کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسی وقت اس دھن اور کھوج میں لگ جائے کہ بولر کی گیند پر گرفت (GRIP) کیسی ہے اور جب تک بولر گیند کو پھینک نہ دے بلے باز کو بولر کی ہر حرکت پر نظر رکھنی لازمی ہے۔ بلے باز کو کسی حالت میں نہ تو سر کو حرکت دینی چاہیے اور نہ ہی کھیل کے دوران میں اپنی نگاہ بولر کے ہاتھ سے ہٹانی چاہیے۔ اچھے بلے باز گیند کو ہوا میں گھومتے دیکھ کر معلوم کر لیتے ہیں کہ زمین پر گر کر یہ کس جانب پہلو بدلے گی۔ خاص طور پر جب وہ سلو گیند کرنے والے بولروں کے خلاف کھیل رہے ہوں تب یہ چیز با آسانی معلوم کر لیتے ہیں۔ اگر بلے باز بولر کے ہاتھ کی گرفت سے پتا کر لے کہ یہ کس قسم کی گیند ہو گی۔ تو تب اسے گیند اپنے تک پہنچنے تک اتنا وقت مل جاتا ہے کہ وہ با آسانی سٹروک کھیلنے کی پوزیشن میں آجائے اور اس کے لیے سٹروک کھیلنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔

9- جال میں مشق

کرکٹ کی زبان میں اسے "نیٹ پریکٹس" کہتے ہیں۔ نیٹ کی مشق کے دوران میں بلے باز مختلف قسم کے سٹروک کھیلنے کی صلاحیت پیدا کر سکتا ہے اور جب وہ نیٹ سے تجربہ کار ہو کر نکلتا ہے تو میچ میں ویسے سٹروک کھیلنا اس کے لیے عادت ثانی بن جاتی ہے۔ وہ انہیں میچ میں کھیلتے ہوئے اجنبیت محسوس نہیں کرتا۔ اس کے علاوہ ایک مخصوص مقام پر گیند پھینکوا کر کھلاڑی کسی خاص سٹروک کو زیادہ رواں بنا سکتا ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ نیٹ کی مشق کی وجہ سے کھلاڑی میں خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے جو میچ میں اس کے لیے بہت مددگار ثابت ہوتی ہے نیز یہ کہ ایک بلے باز اپنے کھیل کو بہتر بنانے کے لیے نیٹ کی مشق کے دوران میں ہر نئے سے نیا تجربہ کر سکتا ہے۔

10- فرنٹ فٹ اور بیک فٹ کھیلنا

گیند کھیلنے کے دو طریقے ہیں یا یوں سمجھئے کرکٹ میں دو قسم کی گیندیں "لینتھ" کے حساب سے پھینکی جاتی ہیں۔ ایک تو وہ جو بلے باز کے قریب آکر گرتی ہے اور دوسری وہ جو اس سے دور پڑتی ہے۔ نزدیک پڑنے والی گیند کو بائیں ٹانگ بڑھا کر اس کے گرنے کی جگہ کے قریب لے جا کر کھیلا جاتا ہے یعنی اسے فرنٹ فٹ پر کھیلا جاتا ہے اور دوسری سب گیندیں جو اس سے دور گرتی ہیں انہیں اصولاً دایاں پاؤں پیچھے وکٹوں کی طرف لے جا کر کھیلا جانا چاہیے یعنی اس کو اپنے جسم کو پیچھے لا کر بال کے سامنے رکھ کر بیک فٹ پر کھیلا جاتا ہے۔ تاکہ بلے باز کو ان تک پہنچنے سے پہلے ایسی گیندوں کو سمجھنے کے لیے اور وقت مل جائے۔ کرکٹ کی زبان میں ان دو قسم کے کھیل کو یعنی کہ بائیں ٹانگ آگے بڑھا کر کھیلنے والی گیند کو فارورڈ اور دائیں ٹانگ کو پیچھے لے جا کر کھیلنے والی گیند کو بیک ورڈ کھیلنے کا طریقہ کہتے ہیں۔

ہر گیند کو صحیح طور پر کھیلنے کے لیے کافی توجہ اور خاصی مشق کی ضرورت ہوتی ہے۔ شروع شروع میں ایک بلے باز پچھلے پاؤں یعنی "بیک فٹ" کھیل کو زیادہ استعمال کرے تو اس کا دفاع عموماً ناقابل تسخیر ہو جاتا ہے۔ ایک اچھے بلے باز کے لیے اس کے دفاع کا مضبوط ہونا ضروری ہے۔ جس کھلاڑی کو اپنے دفاع کی طرف سے اطمینان ہوتا ہے وہی بہترین اور جارحانہ کھیل بھی کھیل سکتا ہے۔

شرارتی کلیرنس

شاہد ریاض شاہد

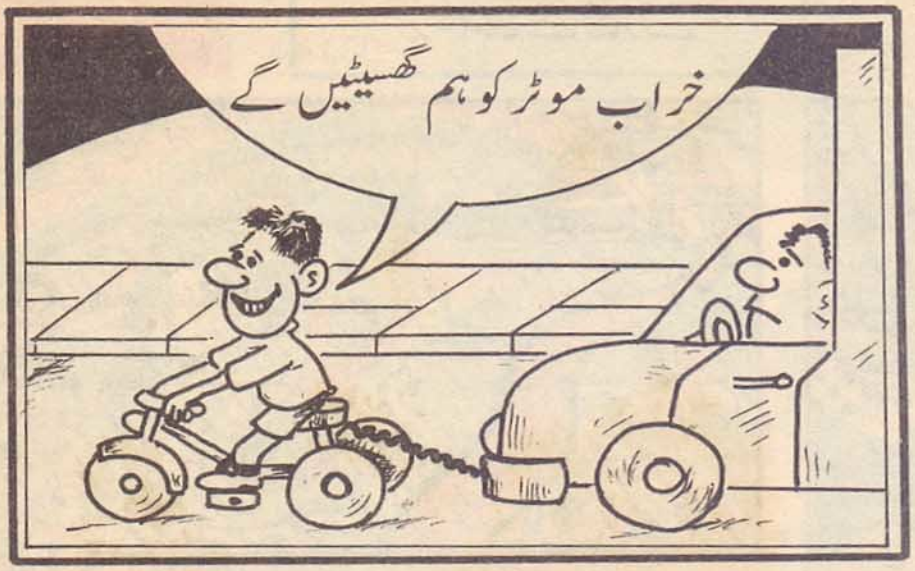

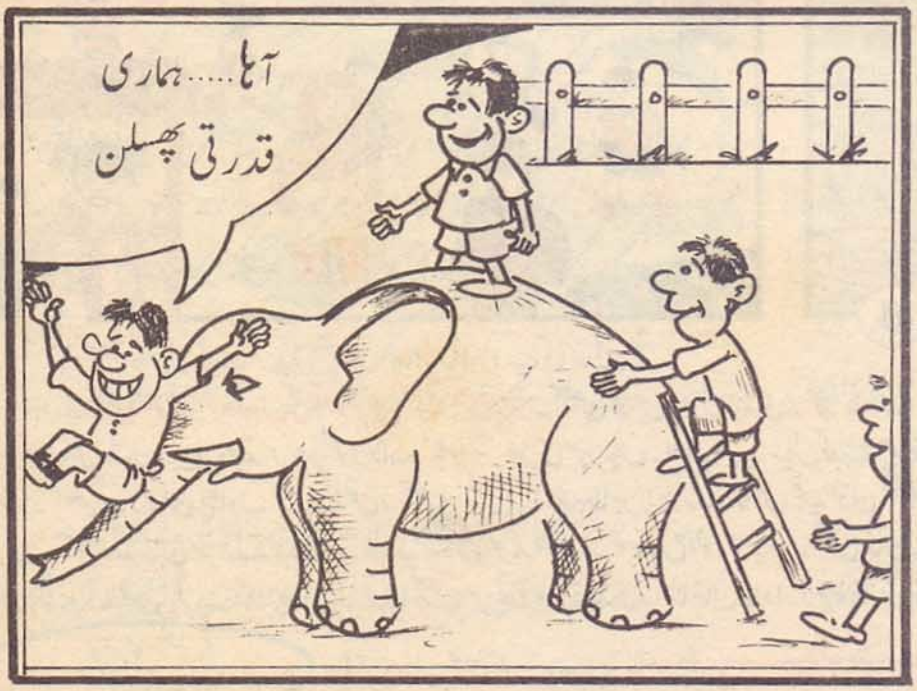

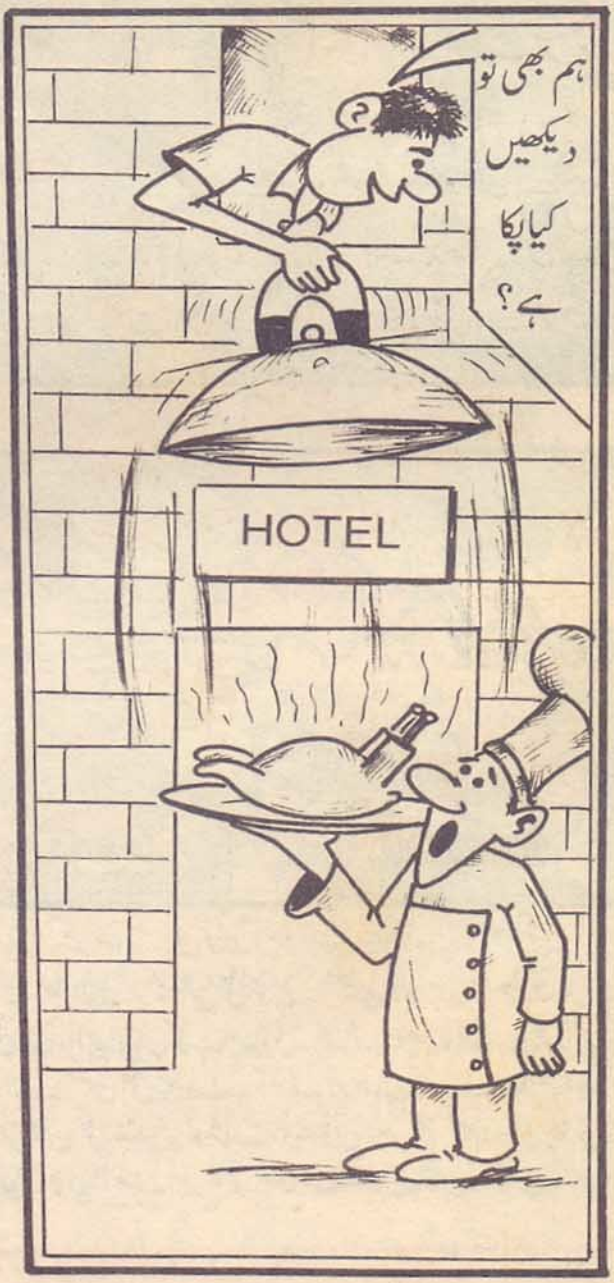

ہونہار مصور

برسات کے نظارے

1

اسما اقبال، کراچی (پہلا انعام: 100 روپے کی کتابیں)

2

مبشر عثمان چک 200 آر بی لاٹھیاں والا (دوسرا انعام: 75 روپے کی کتابیں)

3

شاہد اقبال اوکاڑہ (تیسرا انعام: 50 روپے کی کتابیں)

4

ذی شان احمد لاہور (چوتھا انعام: 45 روپے کی کتابیں)

5

مبشرہ اقبال کوٹ فرید (پانچواں انعام: 40 روپے کی کتابیں)

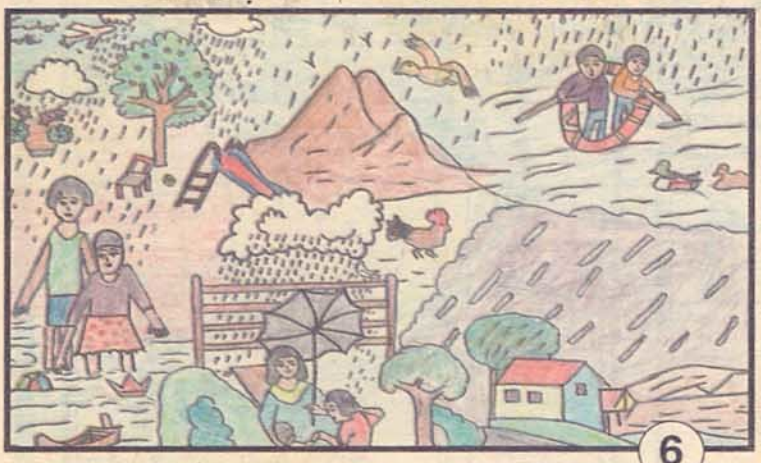

6

عطیہ ارشد جنجوعہ سیال کوٹ (چھٹا انعام: 35 روپے کی کتابیں)

ان ہونہار مصوروں کی تصویریں بھی اچھی ہیں: معین ندین راول پنڈی۔ محمد عاطف رضا بھلوال۔ حریم شیرانی کوئٹہ۔ معین طلحہ بن منصور راول پنڈی۔ عمیر اسماعیل ملتان۔ سارہ اقدس سرگودھا۔ وسیم اختر گھڑی سیریاں۔ انیقہ طیب سیال کوٹ چھاؤنی۔ یاسر احمد سیال کوٹ چھاؤنی۔ محمد نوید ناصر ٹانک۔ فاطمہ محمد حسین لاہور۔ سمعیت رحمان پشاور۔ ارم ریاض رحیم یار خان۔ زائرہ طاہر لاہور۔ وقاص مجید لون مظفر آباد۔ حسن علی چنیوٹ۔ آصف الرحمان چنیوٹ۔ غلام حیدر راول پنڈی۔ سمیع اللہ خان سرائے نورنگ۔ فاریہ حاذق گوجرانوالہ۔ مصباح انور ڈیرہ اسماعیل خان۔ فرحین علی ملتان۔ نوشاب علی بنوں۔ مریم نسیم راول پنڈی۔ فائزہ رؤف لاہور۔ قیصر عزیز منگلا چھاؤنی۔ قرۃ العین سعید راول پنڈی۔ حنا خان بزدار ڈیرہ غازی خان۔ ثانیہ آصف میرپور۔ صدف اشفاق ملتان۔ ایمن اسلم لاہور۔

نومبر کا موضوع: آتش زدگی کا منظر

آخری تاریخ 7 اکتوبر

دسمبر کا موضوع: افطاری کا منظر

آخری تاریخ 7 نومبر

ہدایات: تصویر 6 انچ چوڑی، 9 انچ لمبی اور رنگین ہو۔ تصویر کی پشت میں مصور اپنا نام، عمر، کلاس، اور پورا پتا لکھے اور اسکول کے پرنسپل یا ہیڈ مسٹریس سے تصدیق کروائے کہ تصویر اسی نے بنائی ہے۔

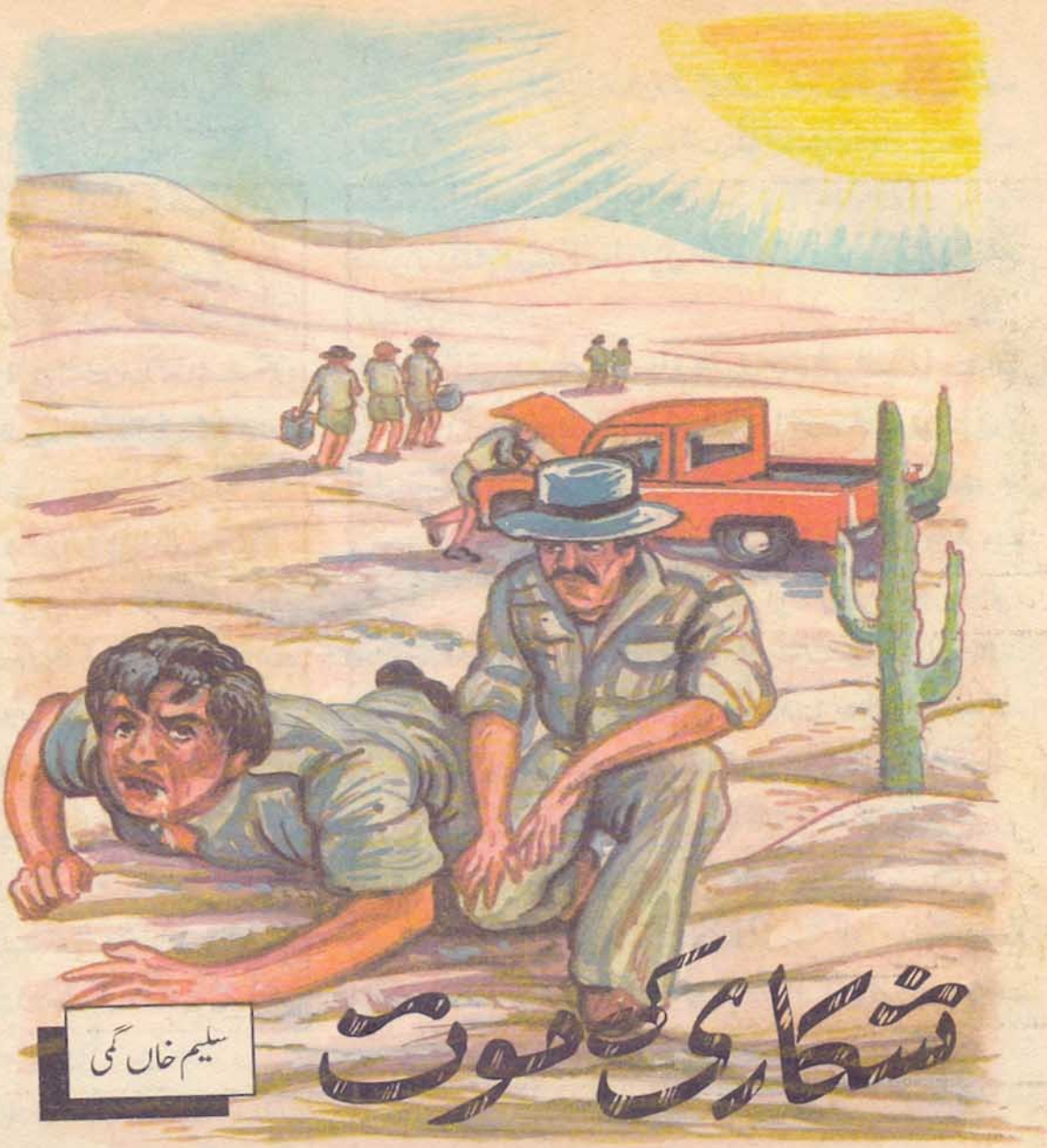

شکاری کی موت

سلیم خاں گمی

اس سال مارچ میں مشرق وسطیٰ کے ایک ملک دوہا سے دو شکار پارٹیاں پنجاب میں آئیں۔ یہ امیر لوگ تھے اور ان کے پاس کافی پیسا تھا۔ ان کا کسی شاہی خاندان سے تعلق نہ تھا۔ یہ تاجر اور کاروباری لوگ تھے۔ ایک پارٹی تو بازوں کے ذریعے شکار کرنے کا شوق رکھتی تھی جب کہ دوسری شکار پارٹی ہرن کا شکار کرتی تھی۔ ایک پارٹی نے دالنبدین، نوکنڈی اور نوشکی (بلوچستان) جانے کا پروگرام بنایا اور دوسری پارٹی نے چولستان کا رخ کیا۔ وہ رحیم یار خان آئے اور پھر ملتان آگئے۔ وہاں چند روز قیام کے بعد مقامی شکاریوں اور گائیڈوں کو بھرتی کیا۔ ایک اخباری رپورٹر بھی ساتھ ہو لیا تاکہ وہ کر سکے کراچی کے ایک اخبار کو چولستان میں ہرن کے شکار پر فیچر لکھ کر ارسال کر سکے۔

پارٹی کا لیڈر کبیر اللہ خلیل تھا۔ اس کے ساتھ اس کا ساتھی نصر اللہ رفاعی تھا۔ نصر اللہ کا بھائی عمیر اللہ تھا۔ باقی تھے صحافی خالد ملتانی، فرید شیخ، حکیم اللہ گائیڈ اور امام بخش گائیڈ۔ سفر کے لیے ملتان سے دو جیپیں خریدی گئیں اور متعلقہ افسروں سے ہرن کے شکار کے لیے اجازت نامے لیے گئے۔ سفر اپریل میں شروع ہوا اور اپریل ہی کے ایک ہفتے میں ختم ہو گیا مگر کبیر اللہ خلیل کی موت پر۔

شکاری کی موت اپریل 2000ء کے آخری ہفتے کے دوران میں چولستان میں ہوئی۔

"کیوں؟"

"خشک سالی اور پانی کی نایابی کی وجہ سے"۔

"مرحوم چھوٹا یا معمولی آدمی نہ تھا۔ اپنے ملک کا مانا ہوا شکاری تھا اور کئی بار پاکستان آچکا تھا۔ اس کی موت جن حالات میں ہوئی وہ دردناک بھی ہیں اور حیرت ناک بھی۔ اس کے علاوہ اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ چولستان میں زندگی کس ڈگر پر چلتی ہے"۔

"چولستان کا رقبہ کتنا ہے؟" خالد نے صحافی عرفان سے پوچھا۔

"چولستان کا رقبہ 66 ہزار ایکڑ ہے" اس نے بتایا۔

"یہ رقبہ بہاول پور کا ہے یا کسی دوسرے ضلع کا رقبہ بھی اس میں شامل ہے؟"

"چولستان کا رقبہ تین اضلاع بہاول پور' بہاول نگر اور رحیم یار خان کے رقبوں پر پھیلا ہوا ہے۔ کسی ایک ضلع کا رقبہ سارے چولستان کا احاطہ نہیں کرتا" اخباری رپورٹر نے خالد کو بتایا۔

"سارا سال موسم کیسا رہتا ہے؟"

"سردیوں میں چولستان کا موسم سخت سرد ہوتا ہے یعنی سرما میں نقطہ انجماد سے نیچے چلا جاتا ہے اور گرمیوں میں درجہ حرارت 50 ڈگری ہو جاتا ہے"۔

"خشک سالی سے لوگوں اور جانوروں کا برا حال ہوا ہو گا" خالد نے سوال کیا۔

"چولستان میں کل مویشی سولہ لاکھ ہیں۔ ان میں سے سات فی صد چارہ اور پانی نہ ملنے کی وجہ سے مر گئے ہیں یا مرنے والے ہیں۔ یعنی 96 ہزار مویشی بھوک اور پیاس سے جان دے دیں گے۔ اب مخیّر لوگ اور دنیا کے کئی ملک قحط زدہ لوگوں کی مدد کر رہے ہیں۔ حکومت لوگوں اور جانوروں کو خشک سالی سے بچانے کے لیے کارروائیاں کر رہی ہے"۔

"آپ نے چولستان کی آبادی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟" خالد نے کہا۔

"آبادی! 1998ء میں آبادی کا سروے ہوا تھا۔ اس کے مطابق چولستان کی آبادی ایک لاکھ اٹھارہ ہزار تھی۔ اب دو سال کے دوران میں کچھ زیادہ ہو گئی ہو گی۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ اس آبادی کا 80 فی صد حصہ خشک سالی کی وجہ سے نقل مکانی کر چکا ہے"۔

"میں نے سنا ہے چولستان کی آبادی نقل مکانی کرتی رہتی ہے؟" خالد نے کہا۔

"دراصل چولستان دو ہیں' ایک بڑا چولستان اور دوسرا چھوٹا چولستان۔ بڑا چولستان تو قصباتی یا شہری آبادی سے بہت دور ہے البتہ چھوٹا چولستان قصبات اور شہروں کے قریب ہے۔ چولستان بڑا ہو یا چھوٹا بڑا مسئلہ پانی کا ہے۔ یہ ریگستانی علاقہ ہے اس لیے پانی نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہے۔ پانی قدرتی گڑھوں میں ملتا ہے جن کو ٹوبہ کہا جاتا ہے۔ ٹوبہ خشک ہو جائے تو پانی ختم۔ نہ انسان کے لیے پانی اور نہ حیوان کے لیے۔ آج کل خشک سالی کی وجہ سے الگ کسی ٹوبے میں پانی ملتا ہے تو وہ کڑوا ہے جسے پینے سے انسان اور حیوان بیمار ہو جاتے ہیں"۔

"ہم تو پینے کا صاف پانی ساتھ لے کر جا رہے ہیں" خالد نے بتایا۔

"جی ہاں' ہم نے پانی کا انتظام خاطر خواہ کیا ہے اور بوتلیں وغیرہ دونوں جیپوں میں رکھ لی ہیں۔ ضرورت پڑی تو راستے میں سے پانی مل جائے گا۔ قلعہ دراوڑ میں بہت پانی ہے"۔

"چولستان میں ہم کتنے دن رہیں گے؟" خالد نے پوچھا۔

"چولستان میں ہم دو تین دن رہیں گے۔ ہرن' چکور' دراج' کبک اور بٹیر شکار کریں گے' بھون کر کھائیں گے اور واپس آجائیں گے" رپورٹر بولا۔

"بڑا مزہ آئے گا" خالد نے چٹخارہ بھر کر کہا۔

"یقیناً" صحافی نے کہا اور سفر جاری رہا۔

جب وہ احمد پور شرقی کے قریب قلعہ دراوڑ پہنچے تو انہوں نے تھوڑا آرام کیا' پانی پیا اور دو گائیڈوں کی خدمات

قلعہ دراوڑ

حاصل کیں تاکہ وہ راستے بتا سکیں اور جنگلی جانوروں کے شکار کے لیے راہ نمائی کر سکیں۔ ایک گائیڈ کا نام حکیم اللہ تھا اور دوسرے کا نام امام بخش۔ سب نے وہاں کھانا کھایا اور تازہ دم ہو کر پھر سفر پر روانہ ہوئے۔ اس وقت دن کے ڈھائی بج رہے تھے۔

ریگستان کا سفر' ہر طرف ریت ہی ریت۔ چمکتی اڑتی ریت کے ذرے یوں دکھائی دیتے تھے جیسے لوہار کی بھٹی میں لوہے کی لال انگارہ ڈلیاں ناچ رہی ہوں۔ اڑتی ہوئی تپتی ریت لو کی شدت کو اور زیادہ کر رہی تھی اور لو کے تھپیڑے چہروں' ہاتھوں اور پیروں کو یوں جھلسا رہے تھے جیسے وہ آتش دان میں رکھ دیئے ہوں۔ آسمان پر سورج پگھلے ہوئے پیتل کا تھال بنا ہوا تھا اور کوئی پرندہ آسمان پر اڑتا ہوا دکھائی نہ دیتا تھا۔ کونپلیں مر چکی تھیں اور پتے کملا گئے تھے۔ جھاڑیاں سوکھ گئی تھیں اور پانی کے قدرتی اور مصنوعی گڑھے خشک ہو گئے تھے۔ تیز گرم ہوا سے حلق سوکھ رہے تھے اور پانی پینے کی حاجت بار بار محسوس ہو رہی تھی۔ جب جیپیں دو گھنٹے کے سفر کے بعد ٹوبہ ڈنڈ والی پہنچیں تو ان میں سے ایک جیپ خراب ہو گئی۔

"اب کیا ہو گا؟" صحافی خالد نے گائیڈ امام بخش سے پوچھا۔

"جیپ خراب ہو جائے تو اسے ٹھیک کیا جاتا ہے۔ اب اس جیپ کو ٹھیک کرتے ہیں" گائیڈ بولا۔

"کون ٹھیک کرے گا؟" صحافی خالد نے سوال کیا۔

"آپ ٹھیک کریں گے" گائیڈ بولا۔

"میں مکینک نہیں ہوں۔ جیپ تو مکینک ٹھیک کرتا ہے اور مکینک بھی وہ جو کاروں کا اور جیپوں کا مکینک ہو" خالد نے جواب دیا۔

"وہ یہاں کہاں ملے گا یہ چولستان کا ریگستان ہے ملتان کا حرم گیٹ یا لاہور کا بلال گنج نہیں کہ مکینک جلدی سے مل جائے"۔

سبھی نے جیپ کو پوری توجہ سے جانچا لیکن نقص دور نہ ہوا۔ بھٹی کی طرح انگارہ چولستان کی گرما گرم ریت نے جیپ کو جام کر دیا تھا اور وہ ناکارہ ہو گئی تھی۔ آخر آپس میں مشورہ کیا گیا اور فیصلہ ہوا کہ صحافی خالد گائیڈ امام بخش اور نصر اللہ رفاعی جیپ کے پاس ٹوبہ ڈنڈ والی میں رکیں' اس کی مرمت کا انتظام کریں اور خلیل مرتضیٰ' دوسرے لوگ' مناشیخ اور گائیڈ حکیم اللہ ہرن کے شکار کے لیے سفر جاری رکھیں۔ سفر جاری رکھنا اس لیے ضروری تھا کہ چولستان میں ہرن شام کے بعد اور آدھی رات سے پہلے اپنی پناہ گاہوں سے باہر نکلتے ہیں اور پانی پیتے ہیں۔ چوں کہ خشک سالی تھی اس لیے ان کے پانی کے کئی جوہڑ خشک ہو گئے تھے اور ان کو پانی تلاش کرنا پڑتا تھا۔ شکار پارٹی کا خیال تھا کہ جب ہرن پانی پینے کے لیے پانی کی تلاش میں ادھر ادھر گھوم رہے ہوں گے تو ان کو آسانی سے شکار کیا جا سکے گا۔ اس وقت شام ہو چلی تھی اور رات سر پر کھڑی تھی۔ شکار پارٹی کا لیڈر کبیر اللہ خلیل تھا اور خراب جیپ والی پارٹی کا سربراہ نصر اللہ رفاعی۔

شکار پارٹی نے جیپ میں ڈھائی گھنٹے سفر کیا اور گائیڈ حکیم اللہ کی راہ نمائی میں ریگستان کے درمیان پہنچ گئے۔ جب وہ ٹوبہ گریرے والا پہنچے تو دوسری جیپ بھی خراب ہو گئی۔ سارے شکاری بہت گھبرائے کیوں کہ رات ہو چکی تھی اور قریب کوئی بستی یا آبادی نہ تھی کہ کھانے پینے کا یا جیپ مرمت کرنے کا کوئی انتظام ہو سکے۔ چاروں طرف ریگستانی جنگل تھا۔ صرف گیدڑ بول رہے تھے ویسے خوف ناک سناٹا تھا۔ ایک بار پھر آپس میں مشورہ شروع ہوا۔

"ہمیں رینجرز کے پاس جانا چاہیے" ایک شکاری بولا۔

"رینجرز یہاں سے کتنی دور ہیں؟" کسی نے پوچھا۔

"رینجرز یہاں سے دس بارہ میل دور ہیں۔ وہ پاک انڈین بارڈر پر ہیں" گائیڈ حکیم اللہ نے کہا۔

"ہمیں رینجرز کے پاس جا کر اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دینا چاہیے۔ کم از کم روٹی پانی تو ملے گا' آرام سے سو سکیں گے۔ تھکاوٹ اور سفر سے جسم چور ہو رہے ہیں' ہڈیاں چٹخ گئی ہیں۔ اعصاب شل ہو گئے ہیں" ایک شکاری نے مشورہ دیا۔

"رینجرز ہمیں بلا اجازت شکار کرنے پر گرفتار کر لیں گے" کسی نے کہا۔

"رات کا وقت ہے۔ رینجرز کو حکم ہے کہ وہ رات کو اجنبی کو دیکھ کر پوچھے بغیر گولی کا نشانہ بنادیں" گائیڈ نے بتایا۔

"ایسی صورت میں تو موت کو دعوت دینا ہے۔ رینجرز ہمیں دور سے دیکھ کر بھون ڈالیں گے" خالد صحافی نے کہا۔

"جیپ خراب ہو چکی ہے۔ اس کی مرمت ہو نہیں سکتی۔ رات کا وقت ہے۔ بھوک اور پیاس سے برا حال ہے۔ رینجرز کی طرف گئے تو موت کے منہ میں چلے جائیں گے۔ کوئی اور صورت ہو تو بتاؤ" کبیر اللہ خلیل بولا۔

"ہمیں کھیر سر گاؤں کی طرف روانہ ہونا چاہیے" گائیڈ حکیم اللہ نے مشورہ دیا۔

"کھیر سر یہاں سے کتنی دور ہے؟" کسی شکاری نے پوچھا۔

"یہاں سے چالیس میل ہے۔ وہاں روٹی پانی مل جائے گا"

"یہ چالیس میل کا فاصلہ کب طے ہو گا؟ میرا مطلب ہے گاؤں کھیر سر کب پہنچیں گے؟" دوسرے شکاری نے پوچھا۔

"اگر ہم تیز تیز چلتے رہیں اور راستے میں نہ رکیں تو ہم کل صبح دس بجے کھیر سر پہنچ جائیں گے" گائیڈ نے بتایا۔

اس وقت رات کے سات بجے تھے۔ سفر دوبارہ شروع ہوا۔ سات گھنٹے سفر کرنے کے بعد صبح 2 بجے کبیر اللہ خلیل مزید سفر کے قابل نہ رہا۔ وہ لاچار ہو گیا اور بھوک پیاس اور تھکاوٹ سے اس کا برا حال ہو گیا۔ وہ موت کے قریب پہنچ گیا تھا۔

"اب کیا کیا جائے؟" ایک ساتھی نے کہا۔

"رات یہاں گزاری جائے" دوسرے ساتھی نے مشورہ دیا۔

"رات تو گزار لیں گے لیکن کل کیا ہو گا۔ کل سورج کی گرمی بھون کر رکھ دے گی۔ اگر رات کو تاروں کی چھاؤں میں سفر نہیں کر سکتے تو کل جب سورج آگ برسائے گا تو پھر سفر کیسے ہو گا؟" تیسرا ساتھی بولا۔

"اگر ہم کل دس بجے صبح تک کھیر سر نہ پہنچے تو ہمارا بھوک پیاس اور گرمی سے بچنا محال ہو گا' اس لیے ہمیں سفر جاری رکھنا چاہیے۔ یہاں رات ٹھہرنا فضول ہے" گائیڈ نے کہا۔

"لیکن شکار پارٹی کے لیڈر کبیر اللہ خلیل تو سفر نہیں کر سکتے۔ وہ بھوک پیاس تھکاوٹ اور گلا بند ہونے سے تڑپ رہے ہیں۔ ان کا کیا کیا جائے؟" دوسرا ساتھی بولا۔

"خلیل صاحب اور عمیر اللہ یہیں رہیں۔ میں اور خالد سفر جاری رکھتے ہیں اور کھیر سر پہنچ کر امدادی پارٹیاں بھجواتے ہیں" گائیڈ حکیم اللہ نے کہا۔

کبیر اللہ خلیل کا حال بہت ہی برا تھا۔ عمیر اللہ بھی آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا تھا۔ چناں چہ ان کو وہیں چھوڑا۔ ایک ایک لٹر پانی دونوں کو دیا اور باقی تین ساتھی پھر سفر پر پیدل روانہ

ہوئے۔ ان دونوں سے کہا گیا کہ اگر وہ محسوس کریں کہ سفر کر سکتے ہیں تو وہ رات کو سفر کریں اور راستہ وہی اختیار کریں جس پر وہ جا رہے ہیں۔

دو گھنٹے سفر ہوا ہو گا کہ شیخ فرید ہلکان ہو کر گر پڑا اور بے ہوش ہو گیا۔ اس کا گرنا تھا کہ صحافی خالد اور گائیڈ حکیم اللہ گھبرا گئے۔

"موت قریب ہے۔ ہمارا حشر بھی وہی ہو گا جو شیخ فرید کا ہوا ہے" خالد نے کہا۔ وہ سفر کے صدمہ سے نڈھال ہو چکا تھا۔ اس نے اور گائیڈ حکیم اللہ نے شیخ فرید کو وہیں چھوڑا اور وہ دونوں جسم و روح کی تمام توانائیاں اکٹھی کر کے ایک بار پھر سفر پر روانہ ہوئے۔ اس وقت ان کے پاس تھوڑا سا پانی تھا جس سے وہ اپنا حلق تر کر سکتے تھے۔ وہ چلتے رہے۔ راستے میں ان کو چولستان کے نہایت زہریلے سانپ سے واسطہ پڑا جو ان کا جانی دشمن بن کر پھن پھیلائے لڑنے کے لیے راستہ میں بیٹھا تھا۔ اس سانپ کو کھپرا سانپ کہا جاتا ہے۔ پنجاب میں اسے کھڑپہ سانپ کہتے ہیں۔ چولستان میں ان کی بہتات ہے۔ جس کسی کو کھپرا سانپ کاٹ لے وہ پانی نہیں مانگتا۔ لیکن کھپرا سانپ بھی ان دو شکاریوں کو خوف زدہ نہ کر سکا اور وہ بھوک پیاس کی وجہ سے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سفر کرتے رہے۔ جب صبح کے نو بجے تو وہ کھیر سر گاؤں میں تھے لیکن کھیر سر گاؤں میں ان کے لیے راحت کا کوئی سامان نہ تھا۔

سارا گاؤں خالی پڑا تھا۔ وہاں نہ آدم تھا اور نہ آدم زاد۔ کھیر سر کے لوگ خشک سالی کی وجہ سے گاؤں چھوڑ کر جا چکے تھے۔ ٹوبے اور کنوئیں خشک ہو چکے تھے۔ وہاں نہ بکری تھی نہ بھیڑ' نہ گائے نہ بیل اور نہ ہی کوئی اونٹ یا سانڈ۔ چرواہے اور بکروال چارے اور پانی کی تلاش میں مال مویشی لے کر دوسرے علاقوں کا رخ کر چکے تھے۔ کچھ مویشی مر چکے تھے کچھ سستے داموں بک چکے تھے اور باقی بکنے کے لیے منڈیوں کا رخ کر چکے تھے۔ ہر طرف اجاڑ بیابان تھا' ہر طرف ہو کا عالم تھا۔

اخبار نویس اور گائیڈ نے کھیر سر کے گاؤں میں کئی مکانوں کے تالے توڑے لیکن کہیں پانی نہ ملا۔ ان کے گلے پیاس کی وجہ سے بری طرح سوکھ کر کیکر کی لکڑی کی طرح ہو گئے تھے۔ آخر ایک گھر سے تھوڑا سا پانی ملا۔ وہ ایک چھوٹے سے شیشے کے مصنوعی تالاب میں تھا اور اس میں کیڑے مکوڑے مرے پڑے تھے۔ شیشے کے اس تالاب سے انہوں نے تھوڑا سا پانی لیا اور پیاس بجھانے کے لیے حلق تر کیا!

اس اثنا میں شکار پارٹی کے پہلے تین ارکان نصر اللہ رفاعی وغیرہ نے اپنی جیپ کسی نہ کسی طرح ٹھیک کی اور جب صبح تک شکار پارٹی کا کوئی رکن واپس نہ آیا اور نہ ان کی کوئی اطلاع ملی تو وہ گھبرا گئے اور قلعہ دراوڑ آ گئے۔ وہاں انہوں نے چار جیپیں کرایہ پر لیں۔ کئی گائیڈوں کی خدمات حاصل کیں اور پانی کی بوتلیں اور کنستر لے کر گم شدہ شکار پارٹی کی تلاش میں روانہ ہوئے۔

کبیر اللہ خلیل' عمیر اللہ اور شیخ فرید امدادی ٹیم کو کھیر سر گاؤں سے دس میل دور مل گئے۔ وہ ریگستان کی جھاڑیوں کے اندر تھے اور جھاڑیوں کے اوپر ان کی قمیصیں تھیں تاکہ وہ دھوپ سے بچ سکیں اور تلاش کرنے والے ان کو دور سے دیکھ لیں۔ خلیل آخری دموں پر تھے اور عمیر اللہ اور شیخ فرید بے ہوش پڑے تھے۔ وہ اس روز سارا دن باقی شکاریوں کو تلاش کرتے رہے۔ شام کو اخباری رپورٹر خالد اور گائیڈ حکیم اللہ مل گئے۔ کبیر اللہ خلیل تڑپ تڑپ کر اللہ کو پیارے ہو گئے۔ باقی شکاری تین دن تک زندگی اور موت کی کش مکش میں رہے۔ نہ وہ تین دن تک چل سکے اور نہ گفت گو کر سکے۔

"چولستان میں آخری بار بارش 1998ء میں ہوئی تھی۔ مارچ 2000ء میں خشک سالی نے ایک بار پھر چولستان کو گھیر لیا۔ اپریل مئی اور جون 2000ء میں خشک سالی زوروں پر رہی لیکن حکومت اور فلاحی انجمنوں' اداروں اور افراد نے 2000ء میں چولستان میں خشک سالی کا شکار ہونے والے لوگوں کی بھرپور مدد کی۔ بہرحال جس طرح چولستان میں شکاری کی موت واقع ہوئی یہ اپنی نوعیت کا انوکھا حادثہ ہے۔ آخر 4 جولائی 2000ء میں چولستان میں پہلی بارش ہوئی اور لوگوں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

* * *

مجرم کون؟

مجرم کا کھوج لگائیں اور 500 روپے کی کتابوں کا انعام پائیں۔

ہر حل کے ساتھ کوپن بھیجنا ضروری ہے۔ جواب بھیجنے کی آخری تاریخ 17 اکتوبر 2000ء

مجرم کون؟

نام: _____

پورا پتا: _____

_____

_____

ایک بنک کے کلرک نے 10 لاکھ کا غبن کیا اور منیجر کو قتل کر کے فرار ہو گیا۔ واردات کے بعد کلرک نے ایک پین، جو لیک کر رہا تھا اور اپنی قمیص کو ایک جگہ گڑھا کھود کر دبا دیا۔ کیوں کہ خون کے چھینٹے اس قمیص پر بھی پڑ گئے تھے۔ انسپکٹر زاہد نے اپنی ذہانت اور کوشش سے وہ قمیص ڈھونڈ لی مگر مجرم کو پکڑنے کا کوئی واضح ثبوت نہ مل سکا۔ وہ مجرم کی تلاش میں جا رہے تھے کہ ایک دھوبی گھاٹ کے پاس ان کی گاڑی کا انجن گرم ہو گیا۔ زاہد صاحب نے دھوبی سے پانی لیا مگر اس دوران میں ہی انہیں مجرم کا ثبوت بھی مل گیا اور پھر وہ دھوبی کی مدد سے مجرم کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ بتائیے کیسے؟

ستمبر 2000ء میں شائع ہونے والے ''مجرم کون؟'' کا صحیح حل: انسپکٹر زاہد اپنی انعام کی رقم چوری ہونے کے بعد تفتیش میں مصروف تھے۔ تفتیش ہی کے سلسلے میں جب وہ بنک گئے تو وہاں ایک شخص پیسے جمع کروا رہا تھا۔ انسپکٹر زاہد نے اس شخص کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے اپنے نوٹوں کے نمبر پہچان لیے اور اس کو مجرم قرار دے دیا۔

یہ جواب ہمیں 7 ستمبر 2000ء تک 1793 ساتھیوں نے ارسال کیا۔ جن میں سے یہ 10 ساتھی بذریعہ قرعہ اندازی انعام کے حق دار ٹھہرے۔ ان ساتھیوں کو 50 '50 روپے کی کتابیں دی جا رہی ہیں۔ (1) احمد علی لاہور (2) فرحان حیدر پنڈ دادن خان (3) ابو ہریرہ سعد سندھو میاں چنوں (4) اسامہ اشفاق وہاڑی (5) مظہر علی ثالث اٹک (6) وقاص مجید لون مظفر آباد (7) حسان خان نوشہرہ (8) چودھری وقاص راول پنڈی (9) حافظ مبشر اقبال ملتان (10) عائشہ ایوب لاہور۔

ڈاکٹر رضوان ثاقب

سانپ

بعض ماہرین کے مطابق سانپ آج سے تقریباً 12 کروڑ سال پہلے پیدا ہوئے۔ انسان ہمیشہ سانپ سے خوف زدہ رہا ہے۔ حال آں کہ بے چارہ سانپ تو خود انسان سے بہت خوف زدہ رہتا ہے اور اسے دیکھتے ہی بھاگ جاتا ہے۔ شاید آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ سانپ نہ صرف انسان سے خوف کھاتا ہے بلکہ یہ انسانوں کے بہت کام بھی آتا ہے۔ سانپ کا زہر نہ صرف تریاق بنانے کے کام آتا ہے بلکہ بہت سی ادویات بھی اس سے تیار ہوتی ہیں جو بہت سی بیماریوں کے علاج میں استعمال ہوتی ہیں۔ اس کی نسبت سانپوں سے انسانی جان کو جو خطرہ لاحق ہوتا ہے وہ بہت کم ہے۔ دنیا میں سانپ کے ہاتھوں سب سے زیادہ انسانی جانوں کا زیاں برما (یونین آف میان مر) میں ہوتا ہے۔ یہاں ہر سال ایک لاکھ باشندوں میں سے 15 زہریلے سانپ کے ڈسنے کا شکار ہوتے ہیں۔ انگلینڈ اور ویلز میں پچھلے پچاس برس میں صرف سات افراد زہریلے سانپ کے ڈسنے سے ہلاک ہوئے جب کہ دوسری طرف یہی زہریلے سانپ چوہوں اور بعض حشرات کو ہلاک کر کے ہمارے ماحول کو خوش گوار بناتے ہیں۔

یہ بات بڑی افسوس ناک ہے کہ پاکستان سمیت دنیا کے بعض ممالک میں سانپوں کو بڑی بے رحمی سے شکار کیا جاتا ہے۔ شکار ہونے والے سانپوں میں زیادہ تعداد اژدھوں اور بوآ (BOA) سانپوں کی ہے۔ ان کو ہلاک کرنے کا مقصد ان کی جلد سے جوتوں اور ہینڈ بیگوں کے لیے چمڑا حاصل کرنا ہوتا ہے۔ امریکا میں زہریلے سانپ کے گوشت کے ٹکڑے تلنے کے لیے تیار عام ملتے ہیں۔ انہیں گوشت کی پہچان رکھنے والے بہت پسند کرتے ہیں۔ چین اور جاپان کے

مچھیرے سمندری سانپوں کو بڑی تعداد میں پکڑ کر منڈیوں میں کھانے کے لیے لاتے ہیں۔

سانپوں سے خوف کھانے کی ایک وجہ ان کی بہت بڑی جسامت بھی ہے۔ موجودہ دور کے اژدھوں کی لمبائی 30 فٹ سے زیادہ بھی مشاہدے میں آئی ہے۔ پاکستان میں ایک ایسا اژدھا بھی دیکھنے میں آیا ہے جس کی لمبائی 33 فٹ اور وزن 300 پونڈ تھا۔ جب کہ اس سے بڑا اژدھا اور کسی ملک میں نہیں پایا جاتا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ کوئی سانپ جتنا بڑا ہو گا وہ اتنا ہی زیادہ خطرناک یا زہریلا ہو گا۔

سانپوں میں قوت شامہ یعنی سونگھنے کی حس کے خلیے زبان کی نوک پر موجود ہوتے ہیں۔ جب زبان منہ سے بار بار باہر نکل کر ہوا کی کیمیائی خصوصیات سے مطلوبہ معلومات حاصل کرتی ہے تو اسے دماغ تک پہنچا دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض سانپ مثلاً ناگ (ADDER) اپنے شکار کی طرف جاتے ہوئے بار بار زبان باہر نکال کر اس کی طرف سے آنے والی بو کی مدد سے اپنی سمت کو صحیح رکھتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے سانپوں کی زبان بہت تیزی سے حرکت کرتی ہے۔ زہریلے سانپوں میں اگلے کچھ دانتوں میں نالیاں بن جاتی ہیں۔ انہی نالیوں کے ذریعے سانپ کاٹتے وقت زہر کو اپنے شکار کے اندر منتقل کرتا ہے۔

سانپ اپنے جسم کو متوازی پہلو پر بل دیتے ہوئے دوڑتے یا چپٹی دم کو چپو کی طرح استعمال کر کے تیرتے ہیں۔ ان میں ٹانگیں تو نہیں ہوتیں لیکن پسلیوں کی نوکوں کو دونوں طرف ٹکا کر تیز رفتار سے دوڑ سکتے ہیں۔ سطح جس قدر غیر ہموار ہو گی اتنی ہی تیز رفتاری سے سانپ بھاگ سکے گا۔ سانپوں کا جسم سفنوں (چانوں) سے ڈھکا ہوا ہوتا ہے۔ یہ سفنے اکثر چھونے میں نرم اور ملائم ہوتے ہیں۔ بعض سانپوں میں کچھ سفنے کھردرے اور بعض میں کانٹوں کی طرح نمایاں ہو جاتے ہیں۔ پرانی قسم کے اژدھوں میں جسم کے پہلوؤں میں ٹانگوں کی جگہ پر دو ٹھنٹھ سے نکلے ہوتے ہیں جب کہ دیگر قسموں میں ٹانگیں ہوتی ہیں نہ کندھے اور سینے کی ہڈی کان اور آنکھوں کے پپوٹے بھی نہیں ہوتے۔ سانپوں میں مثانہ بھی نہیں ہوتا۔

سانپ اپنے شکار کو چبا نہیں سکتے اس لیے خوراک کے بڑے بڑے ٹکڑوں کو سالم نگل جاتے ہیں۔ کیوں کہ ان کے جبڑوں کے جوڑ بہت لچک دار ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کا منہ بہت زیادہ کھل سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ معمول سے زیادہ بڑے شکار کو بھی با آسانی نگل سکتے ہیں۔ سانپوں کی بعض اقسام میں مثلاً پانی کے سانپوں میں، نتھنے اور آنکھیں سر کے اوپر یوں اونچے لگے ہوتے ہیں کہ سانپ کا سارا جسم تو پانی کے اندر ہوتا ہے لیکن وہ اس وقت بھی دیکھتا اور سانس لیتا رہتا ہے۔

سانپوں کی زبان لمبی اور آگے سے دو شاخہ ہوتی ہے۔ یہ دراصل سونگھنے، چکھنے اور چھونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ سانپوں میں سننے کی صلاحیت نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔ وہ صرف زمین کے ذریعے سفر کرنے والی لرزش کی لہروں کو شناخت کر سکتے ہیں۔ اسی لیے قدموں کی آہٹ کو پہچان کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں سانپوں کے مداری اپنی بانسری کی مدد سے جو سانپوں کو مسحور کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں اس کا سانپوں کے سننے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ دراصل سانپ ان کی لمبی بے ہنگم بانسری کو دیکھ کر یا پھر مداری کے پھولے ہوئے منہ سے خوف زدہ ہو کر اپنے آپ کو اس کی زد سے بچانے کے لیے ادھر ادھر حرکت کرتا ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اکثر سانپ کا سر اس طرف سے الٹ یعنی مخالف طرف ہوتا ہے جس طرف بانسری ہوتی ہے مگر مداری سادہ لوح عوام کو اس بات پر قائل کر لیتے ہیں کہ سانپ جو بے چارا سننے کی حس سے عاری ہے وہ بانسری کی آواز پر مسحور ہو رہا ہے۔ سانپوں کی دیکھنے کی

صلاحیت بہت تیز ہوتی ہے۔ البتہ جب شکار ساکن ہو تو اسے مشکل سے نظر آتا ہے لیکن جونہی وہ حرکت کرتا ہے تو سانپ فوراً اس کا تعاقب کرتا ہے۔ بعض قسموں کے سانپ تو انسان کو 300 فٹ کے فاصلے سے پہچان لیتے ہیں۔ البتہ زیر زمین رہنے والے سانپوں کی بینائی کم زور ہوتی ہے۔

سانپ سرد خون حیوان ہے اس لیے یہ صرف ان علاقوں میں رہ سکتا ہے جہاں کا درجہ حرارت موزوں حدود کے اندر ہو۔ سردی کا اثر سانپوں پر بالکل نشہ آور اشیا کی طرح ہوتا ہے۔ کم درجہ حرارت پر ان کی حرکت کی قوت اور محسوس کرنے کی صلاحیتیں مفلوج ہو جاتی ہیں اور موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سانپوں کی بہت بڑی اکثریت دنیا کے گرم اور نیم گرم خطوں میں رہتی ہے۔ چند ہفتوں یا مہینوں کے اندر سانپ کی قد و قامت اتنی بڑھ جاتی ہے کہ اس کا جسم پہلی سطحی جلدی تہ میں نہیں سما سکتا لہٰذا یہ جلد پھٹ کر جھڑ جاتی ہے۔ اس عمل کو کینچلی بدلنا کہتے ہیں۔

سانپوں کی عام خوراک میں چوہے، جنگلی چوہے، مینڈک اور پرندے شامل ہیں۔ پانی کے سانپ مینڈکوں اور مچھلیوں کے علاوہ دم دار جل تھیلے بھی کھاتے ہیں۔ سمندر کے سانپ مچھلیوں اور ان کے انڈوں کو خوراک بناتے ہیں۔ بعض سانپ دوسرے سانپوں کو بھی کھا جاتے ہیں۔ درختوں پر چڑھنے والے سانپ پرندوں کے انڈے کھا جاتے ہیں۔ زیر زمین رہنے والے سانپ کینچوے اور حشرات وغیرہ کھاتے ہیں۔

سانپوں کی دنیا میں پائی جانے والی تقریباً ڈھائی ہزار اقسام میں سے صرف ایک تہائی کے لگ بھگ زہریلی ہوتی ہیں۔ مختلف حیوانات میں جس طرح اپنے دفاع کے اعضا ہوتے ہیں اسی طرح سانپوں میں ان کا زہر دیگر کاموں کے علاوہ ان کے دفاع کے ہتھیار کا کام بھی دیتا ہے۔ چوں کہ سانپوں کے ہاتھ پاؤں تو ہوتے نہیں کہ جن سے کسی حملہ آور یا شکار کو پکڑ سکیں، اس لیے ان کا زہر شکار پر قابو پانے کے کام آتا ہے اور اسے ہضم کرنے میں بھی بہت مددگار ثابت ہوتا ہے۔ زہر دراصل ایک قسم کا تھوک جیسا مائع ہے جس کے اندر پروٹین پاشی کی خصوصیات بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ اسی وجہ سے یہ شکار کے گوشت کو ہضم کرنے میں مددگار ہوتا ہے۔ بعض سانپ تو شکار کے مرنے کے بعد اس کے جسم میں مزید زہر داخل کر دیتے ہیں اور اس کے بعد اسے نگلتے ہیں تاکہ وہ معدے میں جلد ہضم ہو جائے۔ تجربات سے معلوم ہوا ہے کہ اگر زہریلے سانپوں کو اپنے زہر کے بغیر چوہا کھا کر ہضم کرنا پڑے تو اس عمل میں اسے 12 سے 15 دن لگتے ہیں جب کہ زہر کے استعمال سے یہی چوہا 4 سے 5 دن میں ہضم ہو جاتا ہے۔ گویا اگر یہ زہر نہ ہو تو ان زہریلے سانپوں کے لیے خوراک ہضم کرنا مشکل ہو جائے۔

سارے کے سارے سانپ انسانوں کے بڑے خدمت گار ہیں مگر انسان ہمیشہ ان میں سے کچھ کے زہریلا ہونے کی بنا پر ان سے خوف زدہ رہتا ہے۔ کسی بھی سانپ کو دیکھ کر ہمارا پہلا ردعمل یہ ہوتا ہے کہ اسے ہلاک کر دیا جائے۔ ساری دنیا میں سانپ کو فریب اور بدی کی علامت اور قابل نفرت خیال کیا جاتا ہے۔ حال آں کہ ماہرین کا خیال ہے کہ سانپ کبھی انسان کو جان بوجھ کر نہیں ڈستا بلکہ ہمیشہ گھبراہٹ میں بطور دفاع ایسا کرتا ہے۔ کیوں کہ زہر اس کے لیے بذات خود بہت قیمتی چیز ہوتی ہے اور اپنے اس قیمتی مائع کو ضائع کرنا خود اس کے لیے غیر موزوں ہوتا ہے۔

سانپوں کے زہروں کی اثر انگیزی میں بھی کافی فرق ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ سانپ گھبراہٹ میں ڈستے وقت زہر کی پوری مقدار بھی انسان کے جسم میں داخل نہیں کر پاتے۔ بہر حال اس زہر میں یہ خاصیت ہوتی ہے کہ یہ خون میں بہت تیز رفتار سے جذب ہوتا ہے۔ ایک مطالعہ کے مطابق زہر خون میں 3 میٹر فی سکنڈ کی رفتار سے سفر کرتا ہے۔ انسانی یا حیوانی جسم میں زہر داخل کرنے کے لیے سانپوں کے زہر دانت اوپر والے جبڑے میں موجود ہوتے ہیں۔ یہ

دانت اندر سے کھوکھلے ہوتے ہیں۔ ان کے اندر سے ایک باریک سی نالی گزرتی ہے۔ اس نالی کا اندرونی سرا زہر کے غدہ سے ملا ہوتا ہے جب کہ بیرونی سرا دانت کی نوک کے قریب کھلا ہوتا ہے۔ عام طور پر یہ زہر دانت کثرت استعمال کے باعث گرتے رہتے ہیں اور ان کے پیچھے متبادل دانت موجود ہوتے ہیں۔ یہ اگلے زیر استعمال زہر دانتوں کے گرنے پر جلد نمو پا جاتے ہیں اور استعمال میں آنے لگتے ہیں۔ اسی وجہ سے زہریلے سانپوں کا تماشا دکھانے والے مداریوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ وقفے وقفے سے ان کے نئے اگ آنے والے زہر دانتوں کو نکالتے رہیں۔ یاد رہے کہ زہر دانت نہ ہونے کی صورت میں زہریلے سانپ بالکل بے ضرر ہو جاتے ہیں۔

مدتوں سے لوگوں کا یہ خیال تھا کہ زہر تھوکنے والے سانپ بھی دنیا میں پائے جاتے ہیں اور ان سانپوں کے بارے میں لوگ بہت سی کہانیاں بھی سناتے تھے مگر سائنس دان یہ سمجھتے تھے کہ یہ محض لوگوں کا وہم ہے اور ان کی یہ سب کہانیاں فرضی اور من گھڑت ہیں۔ مگر مطالعہ سے پتا چلا ہے کہ کوبرا سانپ کی ایک ذیلی قسم ناجانا جاسپوٹاٹرکس ایسے سانپ ہیں جو زہر تھوکتے ہیں۔ سانپوں کی یہ قسم انڈونیشیا میں پائی جاتی ہے۔ ان کے پھیپھڑوں کے ساتھ بڑے بڑے ہوا کے تھیلے لگے ہوتے ہیں۔ سانپ ان کی ہوا کو پھیپھڑوں سے سانس کے دوران میں خارج کرتے وقت تیز رفتار کے ساتھ باہر نکالتے ہیں۔ چناں چہ یہ سانپ جب برہم ہو کر زور سے پھنکارتا ہے تو سانس کی تیز رفتار ہوا سے زہر بوچھاڑ کی صورت میں باہر نکلتا ہے۔ یہ زہر اکثر مخالف کی آنکھوں کو نشانہ بناتا ہے۔ اسی عمل کو زہر تھوکنا کہا جاتا ہے۔ اگر مکمل احتیاط نہ کی جائے تو اس زہر سے اندھاپن بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ چڑیا گھروں میں ان سانپوں کے رکھوالوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے چہروں پر حفاظتی خود چڑھا کر رکھیں۔

سانپوں کے زہروں کو بطور دوا یا دوسری ادویات کی تیاری میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ بعض زہر ہلکے محلول کی شکل میں بہتے ہوئے خون کو روکنے کا لاثانی اثر رکھتے ہیں۔ کوبرا سانپ کے زہر کو شدید درد اور مرگی کے علاج میں استعمال کیا جاتا ہے۔ کئی سانپوں کے زہر پر دمہ اور جوڑوں کی بیماری کے علاج کے لیے بھی تجربات ہو رہے ہیں۔ ہومیو پیتھک طریقہ علاج میں بطور خاص سانپوں کے زہر مختلف جلدی امراض، رسولیوں اور سرطان (کینسر) جیسی خطرناک بیماریوں میں بطور دوا استعمال ہوتے ہیں۔ مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ تمام قسموں کے سانپوں کی تعداد دنیا میں تیزی سے کم ہو رہی ہے۔ اس کی ایک وجہ تو ان کے رہائشی علاقوں کو استعمال میں لے آنا ہے۔ اس وجہ سے سانپ اپنے قدرتی ماحول سے محروم ہو جاتے ہیں۔ کراچی اور اس کے مضافات میں کریٹ سانپ اور کوبرا سانپ کثرت سے ملتے تھے مگر اب کراچی شہر کی اصل حدود 50 سے 60 میل دور تک پھیل گئی ہیں لہٰذا اب یہ تمام علاقے سانپوں سے تقریباً خالی ہو گئے ہیں۔ اسی طرح شاہ کوبرا سانپ گھنے سدا بہار جنگلوں میں رہتا تھا لہٰذا جنگلوں کی تباہی کے ساتھ یہ سانپ بھی ختم ہو رہے ہیں۔ سندھ کے علاقے میں لاکھوں سانپ تجارتی برآمد کے لیے بھی پکڑے جاتے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں سانپوں کی کمی کے ساتھ چوہوں کی تعداد بڑھ رہی ہے اور وہ فصلوں کے لیے خطرہ بن رہے ہیں۔ قدرت کے حیاتیاتی توازن کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ سانپوں کو تحفظ دیا جائے اور ان کے خلاف صدیوں کی نفرت کو ختم کیا جائے۔

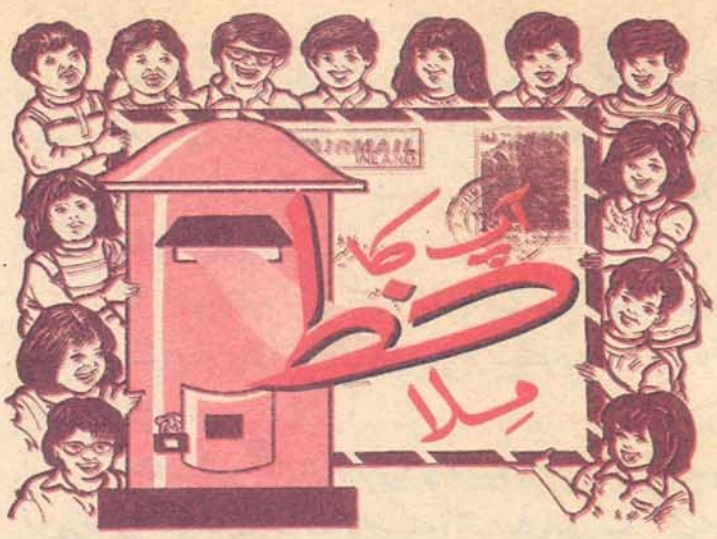

سرورق نمبر لے گیا۔ سلسلہ شرارتی لکیریں بہت اچھا رہا۔ میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ خدا کرے آپ کا رسالہ اور ترقی کرے اور خوب نام کمائے (مدرا سمر کوئٹہ)

سرورق اچھا تھا۔ کہانیوں میں عظیم ماں اور عذر قبول کیا جائے نمبر لے گئیں۔ باقی کہانیوں میں شکاری بادشاہ، بہترین مقابلے، چاچو چاند بنے پہلوان اچھی تھیں۔ کرکٹ کیا اور کیسے؟ اور "کیوں؟" کے عنوان سے معلومات زبردست تھیں (سید علی عباس بخاری فیصل آباد)

وطن کے محافظ، آخری سورج، ایک سپیرا ایک لٹیرا اچھی تحریریں تھیں۔ جب کہ عظیم ماں، دوستی کا تحفہ اور چاچو چاند بنے پہلوان بھی کم نہ تھیں۔ کرکٹ کیا اور کیسے؟، درس قرآن اور سنی سنائی اچھے سلسلے ہیں۔ گڑھے میں لاش اچھی جارہی ہے (محمد فیصل واہ چھاؤنی)

بے وقوف رحموں اور ایک سپیرا ایک لٹیرا اپنی مثال آپ تھیں۔ ٹائٹل بھی اچھا تھا (محمد ذی شان وارث لاہور چھاؤنی)

سرورق بہت ہی خوب صورت تھا۔ کہانیوں میں عظیم ماں، بے وقوف رحموں، چاچو چاند بنے پہلوان اور سائنس فکشن بہت خوب صورت تھیں (رانا ساجد بشیر گھمن کے)

میں گزشتہ آٹھ برس سے تعلیم و تربیت کا قاری ہوں۔ اس مرتبہ کا شمارہ بھی شان دار تھا۔ کہانیوں میں چاچو چاند بنے پہلوان، بے وقوف رحموں اور ڈاکٹر رضوان ثاقب صاحب کا مضمون مارخور بہت دل چسپ تھا (عماد اللہ مبارک لاہور)

کہانیوں میں زبیدہ سلطانہ کی بے وقوف رحموں اور حسن ذکی کاظمی کی دوستی کا تحفہ اچھی تھیں۔ آپ مشہور شخصیات کے انٹرویو بھی شائع کیا کریں (عائشہ آصف میرپور)

سب کہانیاں اچھی تھیں لیکن نمبرون پر ایک سپیرا ایک لٹیرا، نمبر ٹو پر آخری سورج اور نمبر تھری پر بہترین مقابلے تھی (محمد عمر فاروق مغل ٹوبہ ٹیک سنگھ)

سرورق اچھا تھا۔ کہانیاں سبھی بہت پسند آئیں۔ ستمبر کا شمارہ اچھا رہا۔ لطائف بھی اچھے تھے (محمد احمد شاہ درہ)

کہانیوں میں عظیم ماں اور ایک سپیرا ایک لٹیرا اچھی تھیں۔ کرکٹ کیا اور کیسے؟ نہایت دل چسپ اور معلوماتی سلسلہ ہے۔ جنگلی حیات کا سلسلہ بہت معلوماتی اور زبردست ہے۔ اشتیاق احمد صاحب کی گڑھے میں لاش اچھی جارہی ہے (زاہد اقبال ذوالفقاری شکر درہ اٹک)

سرورق زبردست تھا۔ سید نظر زیدی کی عظیم ماں (سچی کہانی) بہت اچھی تھی۔ نجمہ معراج کی کہانی بہترین مقابلے بہت پسند آئی۔ دوستی کا تحفہ حسن ذکی کاظمی کی بہت پسند آئی۔ سلسلہ وار ناول گڑھے میں لاش دن بدن مزے دار ہوتا جارہا ہے (مرزا مبشر حسین، مرزا امجد فاروق شاہ کوٹ)

کہانیوں میں ایک سپیرا ایک لٹیرا، چاچو چاند بنے پہلوان اور آخری سورج بہت پسند آئیں۔ نجمہ معراج کی بہترین مقابلے نہایت نصیحت آموز کہانی تھی۔ ورلڈ وائلڈ لائف کے سلسلے کو جاری رکھیں۔ اس سے معلومات میں بہت اضافہ ہوتا ہے (نزہت عباس بہاول پور)

سرورق کچھ خاص نہیں تھا مگر کہانیوں میں ایک سپیرا ایک لٹیرا بے حد زبردست تھی۔ اس کے علاوہ دوستی کا تحفہ، عظیم ماں اور عذر قبول کیا جائے بھی اچھی تھیں۔ کرکٹ کیا اور کیسے؟ اور گڑھے میں لاش کے سلسلے جاری رکھے جائیں (حسنین احمد اوکاڑہ)

آخری سورج، عظیم ماں اور چاچو چاند بنے پہلوان زبردست کہانیاں تھیں۔ لطائف بہت شان دار تھے۔ گڑھے میں لاش نہایت ہی اچھا ناول ہے۔ کرکٹ کیا اور کیسے؟ میں بلے بازی کے متعلق مفید معلومات تھیں (نعیم اختر چوار حیلوی ڈبدہ اسماعیل خان)

کہانیوں میں سب سے زیادہ ایک سپیرا ایک لٹیرا اچھی لگی۔ وائلڈ لائف کا سلسلہ بہت اچھا ہے۔ محترمہ نجمہ معراج کی کہانی بہترین مقابلے بہت سبق آموز تھی (فاطمہ فاروق ڈیرہ اسماعیل خان)

ایک سپیرا ایک لٹیرا، بے وقوف رحموں، آخری سورج کہانیاں اور نظم وطن کے محافظ بہت پسند آئی (علی اعجاز برلاس دینہ)

سلیم خان گمی صاحب کی شکاریات پر مبنی کہانی شکاری بادشاہ دل چسپ تھی۔ بے وقوف رحموں پڑھ کر کوئی مزا نہ آیا۔ کرکٹ کیا اور کیسے؟ کو اس مرتبہ اکتوبر میں ایک سال ہو جائے گا۔ اس پر این الطاف کو بہت مبارک باد، کیوں کہ انہوں نے کرکٹ کو بڑے اچھے طریقے سے متعارف کروایا ہے دل چسپ اور معلوماتی سلسلے جنگلی حیات میں جنگلی جانوروں کے بارے میں

ایسی معلومات پڑھنے کو ملتی ہیں جنہیں ہم نے پہلے کبھی پڑھا نہ سنا۔ (آصف الرحمان چنیوٹ)

سرورق بہت زبردست تھا۔ کہانیوں میں عظیم ماں' عذر قبول کیا جائے' بہترین مقابلے' دوستی کا تحفہ اور شکاری بادشاہ بہت عمدہ تھیں۔ جنگلی حیات کا سلسلہ بہت اچھا ہے اسے جاری رکھیں۔ سید عظیم واسطی کی نظم بوندیں بہت اچھی تھیں۔ کرکٹ کیا اور کیسے؟ کی گیارہویں قسط بہت شان دار تھی (فاخرہ آفتاب کراچی)

عظیم ماں' آخری سورج' دوستی کا تحفہ' بہترین مقابلے اور عذر قبول کیا جائے' اے ون کہانیاں تھیں۔ اس کے علاوہ درس قرآن' ہونہار مصور' کیوں؟ دماغ لڑاؤ' مجرم کون؟ اور کارٹون کہانی بھی اچھی تھیں۔ کرکٹ کیا اور کیسے؟ گڑھے میں لاش اور وائلڈ لائف کے سلسلے بھی بہت اچھے جارہے ہیں (جیسمین احمد ہنگو)

ستمبر کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ کہانیوں میں عظیم ماں' آخری سورج' چاچو چاند بنے پہلوان اور ایک سپیرا ایک لٹیرا مستقل بہت پسند آئیں (وجیہہ فردوس شاہ کوٹ)

ستمبر کا سرورق خوب تھا۔ کہانیوں میں بے وقوف رحموں' ایک سپیرا ایک لٹیرا اور سلسلہ کرکٹ کیا اور کیسے؟ بہت پسند آیا۔ اس سلسلے کو جاری رکھیں (ملک خاور عباس اعوان ساہی وال)

سرورق بہت خوب صورت تھا۔ تمام کہانیاں اور نظمیں بہت اچھی تھیں۔ اتنے عرصے سے تعلیم و تربیت کا خاص نمبر کیوں شائع نہیں ہوا؟ (قرۃ العین سعید راول پنڈی)

ستمبر کا سرورق اس ماہ کے مطابق نہ تھا۔ سرورق پر پاک فوج کے جوانوں کی تصاویر ہونی چاہیے تھیں۔ باقی تمام رسالہ بہت پسند آیا۔ تمام کہانیاں ہی اچھی تھیں (فوزیہ شفیق شاہ کوٹ)

اس دفعہ سرورق بہت شان دار تھا۔ ستمبر کا تمام شمارہ زبردست تھا۔ تمام کہانیاں پسند آئیں۔ خاص کر عظیم ماں' آخری سورج اور ایک سپیرا ایک لٹیرا بہت پسند آئیں۔ آنٹی نجمہ معراج کو میری طرف سے اسپیشل مبارک باد دیں..... اتنی زبردست اور شان دار کہانی لکھنے پر۔ میں نے اس کہانی سے بہت کچھ سیکھا (حفصہ ناصر کالا گوجراں)

کہانی بہترین مقابلے نمبر لے گئی۔ سائنس فکشن اور آخری سورج بھی اچھی تھیں۔ نظموں میں بوندیں سپرہٹ تھی۔ جنگلی حیات اور کیوں نے واقعی معلومات میں اضافہ کیا۔ رسالے کے صفحات بڑھا دیں اور لڑکیوں کے لیے کوئی زبردست سلسلہ شروع کریں۔ آپ خاص نمبر کیوں شائع نہیں کرتے؟ کوئی پیسے ویسے کا مسئلہ ہے تو بتادیں (سونیا علی بھلوال)

کہانیوں میں عظیم ماں' آخری سورج' بے وقوف رحموں' ایک سپیرا ایک لٹیرا' عذر قبول کیا جائے' دوستی کا تحفہ' شکاری بادشاہ اور بہترین مقابلے بہت اچھی رہیں۔ درس قرآن' کرکٹ کیا اور کیسے؟ بہت اچھا جارہا ہے (علی احمد شفیق منڈی فیض آباد)

تمام کہانیاں پسند آئیں لیکن آخری سورج' بے وقوف رحموں' عذر قبول کیا جائے اور دوستی کا تحفہ جیسی کہانیاں پڑھ کر مجھے بہت مزہ آیا (فاطمہ اسلام بہاول پور)

کہانیوں میں عظیم ماں اور چاچو چاند بنے پہلوان اچھی لگیں۔ باقی کہانیاں بھی اچھی تھیں۔ کرکٹ کیا اور کیسے؟ میں بلے بازی کے متعلق بہت اچھی باتیں تھیں (خرم شہزاد شکر درہ)

ٹائٹل خوف ناک قسم کا تھا۔ لاش کی چوری کا ٹریلر دیکھ کر تجسس بڑھ گیا۔ اگلے شمارے کا اور بھی شدت سے انتظار ہو رہا ہے۔ سچی کہانی ہر دفعہ بہت ایمان افروز ہوتی ہے۔ اس دفعہ دنیا کے عظیم ترین رشتے ماں کے بارے میں تھی اس لیے اور بھی اچھی تھی۔ بہترین مقابلے بہت زبردست کہانی تھی (ایم ابو بکر حیدر فروکہ)

آخری سورج اور ایک سپیرا ایک لٹیرا زبردست کہانیاں تھیں۔ بے وقوف رحموں بہت ہی مزاحیہ تھی۔ کرکٹ کیا اور کیسے؟ اور جنگلی حیات کا سلسلہ جاری رہنے دیں' یہ بہت کار آمد ہیں۔ گڑھے میں لاش اپنے عروج پر ہے' اگلی قسط کا انتظار ہے۔ رسالے کو مضبوطی سے پن لگایا کریں ہر بار پھٹ جاتا ہے (ملک عمر فاروق بھلوال)

سرورق کچھ خاص نہ تھا۔ کہانیوں میں ایک سپیرا ایک لٹیرا' بے وقوف رحموں اور بہترین مقابلے بے حد اچھی تھیں۔ آپ سال نامہ کب شائع کر رہے ہیں؟ (ناصر محمود مدنی رحیم کلی)

آخری سورج' ایک سپیرا ایک لٹیرا اور عذر قبول کیا جائے نمبر ون رہیں۔ گڑھے میں لاش اب پہلے سے زیادہ دل چسپ ہو گیا ہے۔ لطائف بہت اچھے تھے (مصباح مغل گجرات)

تحاریر میں عظیم ماں' وطن کے محافظ' عذر قبول کیا جائے' چاچو چاند بنے پہلوان اور بہترین مقابلے بہت پسند آئیں۔ سنی سنائی اور لطیفے بھی اچھے تھے۔ کارٹون کہانی بہت پسند آئی (عذرا بشیر' رضوانہ بشیر' منیبہ گل اینڈ کزن کھلابٹ)

سرورق بہت اچھا لگا۔ کہانیوں میں آخری سورج اور ایک سپیرا ایک لٹیرا بہت زیادہ اچھی لگیں۔ اس کے علاوہ سلسلہ وار ناول گڑھے میں لاش بہت ہی اچھا جارہا ہے (حافظ مبشر اقبال ملتان)

سب سے اچھی کہانی عظیم ماں تھی۔ بہترین مقابلے میں ہمیں بہت اچھی اچھی باتیں بتائی گئی ہیں۔ جنگلی حیات بھی بہت اچھا جارہا ہے (تراب طارق' زنیرہ طارق' علی طارق' تیمور طارق سرگودھا)

کہانیوں میں آخری سورج' بے وقوف' ایک سپیرا ایک لٹیرا اور شکاری بادشاہ اچھی تھیں۔ انکل' نجمہ معراج کا انٹرویو شائع کریں۔ ان کی کہانیاں مجھے بہت پسند ہیں (محمد حمزاللہ شاہین میاں چنوں)

سرورق اچھا تھا۔ ایک سپیرا ایک لٹیرا کہانی زبردست تھی۔ اس کے علاوہ دوستی کا تحفہ' چاچو چاند بنے پہلوان' عذر قبول کیا جائے اور سلسلہ وائلڈ لائف اچھا لگا (احسان رضا سیال کوٹ)

ستمبر کا شمارہ لاجواب تھا۔ کہانیوں میں سے چاچو چاند بنے پہلوان اور بے وقوف رحموں زبردست تھیں۔ کارٹون کہانی کا تو جواب ہی نہیں (حمزہ فصیح راول پنڈی)

سرورق نہایت خوب صورت اور قابل دید تھا۔ کہانیوں میں عظیم ماں' ایک سپیرا ایک لٹیرا' عذر قبول کیا جائے اور دوستی کا تحفہ بہت اچھی لگیں۔ جنگلی حیات کا سلسلہ بہت معلومات فراہم کرتا ہے۔ امید ہے کہ تعلیم وتربیت کا یہ معیار سدا قائم رہے گا (حافظ محمد اسماعیل کراچی)

ستمبر کا تعلیم وتربیت یکم تاریخ کو ملا۔ سب سے پہلے مارخور پڑھا۔ پڑھ کر معلومات میں بے حد اضافہ ہوا۔ باقی کہانیوں میں شکیل زاہد کی آخری سورج' حامد مشہود کی ایک سپیرا ایک لٹیرا' حسن ذکی کاظمی کی دوستی کا تحفہ اور سلیم خاں گمی کی شکاری بادشاہ بہت اچھی تھیں (فوزیہ' سعدیہ' صادقہ' فیصل اور افضل سراج اوکاڑہ)

سرورق اس بار کچھ خاص نہیں تھا۔ کہانیوں میں آخری سورج' چاچو چاند بنے پہلوان اور ایک سپیرا ایک لٹیرا شان دار تھیں۔ نظمیں بہت اچھی تھیں (پرنس راحیل ڈیرہ اسماعیل خان)

کہانیوں میں ایک سپیرا ایک لٹیرا پہلے نمبر پر' آخری سورج دوسرے نمبر پر اور عظیم ماں تیسرے نمبر پر رہیں۔ سلیم خان گمی کی کہانی شکاری بادشاہ بہت زبردست نکلی۔ لطیفوں نے ہمارے روتے بھائی ارشد اور عدنان کو ہنسادیا (محمد ارشد کبیر والا)

کہانیوں میں عظیم ماں' بے وقوف رحموں' ایک سپیرا ایک لٹیرا' عذر قبول کیا جائے اور بہترین مقابلے بہت پسند آئیں۔ مجرم کون؟ آسان دیا کریں (اسد خان بہاول پور)

سرورق کو دیکھ کر بہت ڈر لگا لیکن جب رسالہ کھولا تو یہ ڈر رفوچکر ہو گیا۔ تمام کہانیاں لاجوب تھیں لیکن ایک سپیرا ایک لٹیرا نمبر ون رہی۔ جب کہ عذر قبول کیا جائے بھی زبردست رہی۔ نظموں کے تو کیا کہنے' سب ہی بہت خوب تھیں۔ گڑھے میں لاش کی پانچویں قسط بہت زبردست رہی (اشفاق احمد' عائشہ شمس لاہور)

کہانیوں میں آخری سورج' دوستی کا تحفہ' شکاری بادشاہ' عظیم ماں' چاچو چاند بنے پہلوان اور گڑھے میں لاش پسند آئیں۔ کرکٹ کیا اور کیسے؟ بھی اچھا جارہا ہے۔ اس دفعہ ڈاکٹر رضوان ثاقب کا مضمون مارخور تو بہت ہی پسند آیا (نعیم رضا اسلام آباد)

سرورق اچھا نہیں لگا۔ البتہ کہانیاں اچھی تھیں۔ پلیز گڑھے میں لاش کی رفتار کچھ تیز کریں۔ یہ ناول تو چیونٹی کی رفتار سے جارہا ہے (سدرہ جمال فیصل آباد)

شرارتی لکیریں فوراً ختم کردیں۔ جنگلی حیات کا سلسلہ کافی زبردست جارہا ہے۔ لڑکیوں کے لیے بھی کوئی اچھا سا سلسلہ شروع کریں (عاصمہ حمید ڈیرہ اسماعیل خان)

ستمبر کا شمارہ ملا تو ہمارے پیارے وطن پر قربان ہونے والے شہدا کی یاد تازہ ہو گئی۔ خدا انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے اور پیارے وطن کو ہر دشمن کی نظر بد سے بچائے۔ باقی تمام مضامین بھی اچھے تھے (عائشہ جہاں گیر پروانہ ملتان)

ستمبر کا شمارہ زبردست تھا۔ تمام کہانیاں پسند آئیں مگر حامد مشہود کی کہانی ایک سپیرا ایک لٹیرا نمبر لے گئی۔ لطائف بھی مزے کے تھے۔ ڈاکٹر رضوان ثاقب نے جو سلسلہ ورلڈ وائلڈ لائف لکھنا شروع کیا ہے وہ بہت اچھا جارہا ہے (محمد قاسم عزیر لاہور)

آپ بھی لکھئے میں کہانی "یہ ہسپتال ہے" نقل شدہ ہے۔ یہی کہانی پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ کی آٹھویں جماعت کی اردو کی کتاب میں بعنوان "دشمن ہوا باز" موجود ہے۔ ثبوت کے لیے تراشہ حاضر ہے۔ قاری محمد افضل کلیم کو بلیک لسٹ کیا جائے (رضوان شہزاد راول پنڈی' وسیم رضا اسلام آباد' مہ وش وقار لاہور' عمر گھرال گجرات' فوزیہ الطاف ملتان' جمشید محی الدین شیخ خوشاب' سید علی قاسم مظفر گڑھ' حسنین احمد اوکاڑہ' احمد رضا لاہور' عزیز الرحمان قاری شیخوپورہ' مریم حسین اوکاڑہ' جواد حمید لاہور' پرنس عادل محمود ہاشمی کالو خورد' محمد عثمان غنی فروکہ' سید حفیظ شاہ راول پنڈی' عابدہ طاہرہ مریم آمنہ عبداللہ عبدالرحمان ساہی وال' مریم نواز کوہاٹ چھاؤنی' فائزہ رؤف لاہور' انصر علی شاہ درہ' وحید اقبال ملک وال' فیض الحسن کوٹ ادو' فاطمہ خدیجہ لاہور)

* قاری محمد افضل کلیم (بستی رحیم کلی) کو بلیک لسٹ کر دیا گیا ہے۔ آئندہ ان کی کوئی تحریر تعلیم وتربیت میں شائع نہیں ہوگی۔ اڈیٹر

* * *

ایک تھا راجا وہ سیر و شکار کا بڑا رسیا اور اچھا کھانے پینے کا بہت شوقین تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ راجا بڑے ٹھاٹھ باٹھ سے شکار کو نکلا۔ سارا دن ہرنوں کے پیچھے خوار ہوتے گزر گیا مگر کچھ ہاتھ نہ آیا۔ مشکل یہ در پیش ہوئی کہ ہرنوں کا پیچھا کرتے کرتے راجا اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گیا۔ صرف ایک سپاہی اس کے ساتھ رہ گیا۔ جب دوپہر ڈھلنے کو آئی تو پتا چلا کہ وہ دونوں اپنے کیمپ اور باقی ساتھیوں سے میلوں دور نکل آئے ہیں اور راستہ بھی بھول گئے ہیں۔ راجا جو خوش خوراک آدمی تھا اور بھوک برداشت کرنے کا بالکل عادی نہ تھا۔ اس وقت مارے بھوک کے تلملانے لگا۔ سپاہی سے کہنے لگا "کچھ کھانے پینے کا بندوبست کرو!"

سپاہی نے بڑی عاجزی سے عرض کیا۔ "سرکار! آپ دیکھ رہے ہیں دور دور تک کہیں آبادی کا نام نشان نہیں، کہاں سے کھانے کو کچھ لاؤں"۔

راجا نڈھال ہو کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا اور مارے بھوک کے جیسے اس کا دم نکلنے لگا۔ وہ بولا۔

"میں اس جگہ بیٹھتا ہوں تو جا کر تلاش کر اور جیسے بھی ہو کھانے کو کچھ لے کر آ"۔

مرتا کیا نہ کرتا! بے چارا سپاہی گھوڑے پر سوار ہو کر ایک طرف چل پڑا۔ کافی دور جا کر اسے کچھ کھیت نظر آئے۔ کھیتوں سے کچھ دور ایک ٹوٹا پھوٹا کچا گھروندا دکھائی دیا تو اس کی جان میں جان آئی۔ وہ اسی مکان کے سامنے جا اترا اور دروازہ کھٹ کھٹایا۔

"بہن جی، مسافر ہوں کچھ کھانے کو مل جائے گا؟" سپاہی نے سوال کیا۔ یہ سن کر عورت چپ کی چپ رہ گئی۔ وہ بے چاری کسی مزدور کی بیوی تھی جس کا شوہر شہر میں مزدوری کرنے جاتا تھا۔ وہ کئی روز سے واپس نہ آیا اور یہ غریب عورت خود پریشان بیٹھی تھی۔ گھر میں کھانے پینے کو کچھ نہ تھا۔ وہ سوچ میں گم تھی کہ مسافر کو کیا جواب دے کہ اتنے میں باہر سے پھر دستک ہوئی، ساتھ ہی آواز آئی "بہن! ایک آدمی کے لیے کھانا چاہیے؟"۔

"اچھا بھائی، تھوڑی دیر رک جاؤ تو کچھ کرتی ہوں" عورت نے کہا۔ اس نے سوچا خبر نہیں مسافر نے کس قدر مجبور ہو کر اس کے دروازے پر دستک دی ہے۔ اسے مایوس کرنے کو نیک عورت کا دل نہ مانا مگر وہ سوچ رہی تھی کہ اب کرے تو کیا کرے۔ گھر کے ایک کونے میں چھاؤں میں ایک گھڑونچی رکھی تھی جس پر دو تین گھڑے رکھے تھے۔ گھڑونچی کے نیچے سائے اور نمی کے باعث ہری ہری دوب اگ آئی تھی۔ عورت نے وہ گھاس اکھیڑی اسے اچھی طرح دھو کر باریک باریک کاٹا۔ مٹی کے دیے میں تھوڑا سا جلا ہوا سرسوں کا تیل بچا ہوا تھا۔ آگ جلا کر وہی تیل کڑاہی میں ڈالا۔ نمک مرچ مسالہ ڈال کر اس کا بگھار بنایا اور کٹی ہوئی دوب یا ہری گھاس اس میں ڈال دی اور آنچ ذرا دھیمی کر کے اسے گلنے کو رکھ دیا۔ پھر اس نے آٹے کی دو تین چاٹیوں کو جھاڑ جھاڑ کر تھوڑا سا آٹا اکٹھا کیا اور گوندھ کر دو روٹیاں بنا دیں۔ کوئلوں کی دھیمی آنچ پر گھاس پک کر خوب سرخ ہو گئی تھی۔ عورت نے وہ سالن ایک روٹی پر انڈھیلا دوسری اس کے اوپر اوندھائی اور کاغذ میں رکھ کر سپاہی کے حوالے کر دی۔

تازہ روٹی اور سالن کی سوندھی سوندھی باس سے سپاہی کی بھوک بھی چمک آئی۔ مگر وہ تو غریب آدمی تھا اس کی بھوک راجا کی طرح بے قابو نہ تھی۔ وہ اپنی بھوک پر کنٹرول کرنا جانتا تھا۔ چناں چہ من و عن دونوں روٹیاں لئے گھوڑا دوڑاتا جلد از جلد راجا تک پہنچ گیا۔ راجا نے بے تابی سے سپاہی کے ہاتھ سے روٹیاں لے لیں اور بے حد رغبت سے گھاس کا یہ سالن کھانے لگا۔

خدا جانے وہ سالن ہی اس قدر لذیذ تھا اور اس غریب عورت کے ہاتھ میں اللہ پاک نے ایسی لذت عطا فرمائی تھی کہ اس نے گھاس تک کو بھی اتنا لذیذ پکایا یا پھر یہ راجا کی زور دار اشتہا کا نتیجہ تھا کہ اس کو اس وقت یہ کھانا حلوہ پوری کچوری مرغ مچھلی ہر چیز سے زیادہ لذیذ محسوس ہوا۔ وہ مزے سے دونوں روٹیاں کھا گیا اور چٹخارے لے لے کر انگلیاں چاٹتا رہ گیا۔

اتنے ہی میں اس کے ساتھی تلاش کرتے ہوئے آپہنچے اور سب مل کر راجو ھانی کی طرف روانہ ہو گئے۔ گھر پہنچ کر بھی راجا کو رہ رہ کر وہی سالن روٹی یاد آرہی تھی۔ وہ بار بار سوچ رہا تھا کہ آخر وہ ایسی کیا چیز پکی ہوئی تھی جو اس کے راج واڑے کی رسوئی میں کبھی آج تک نہیں پکی تھی۔ رات کے کھانے پر بھی اس نے رانی کو سارا قصہ سنایا تو رانی نے مشورہ دیا کہ اس عورت کو دربار میں بلا کر پوچھنا چاہیے کہ اس نے وہ کیا چیز پکائی تھی۔ راجا کو یہ صلاح پسند آئی۔ اگلے ہی روز اس نے اس سپاہی کو چند اور آدمیوں کے ساتھ روانہ کیا اور حکم دیا کہ اسی عورت کو پالکی میں بٹھا کر بڑی عزت کے ساتھ لایا جائے۔

جب راجا کے آدمی اس مزدور کے دروازے پر پہنچے تو اتفاقاً وہ شہر سے واپس آگیا تھا۔ راجا کے آدمی دیکھ کر وہ پریشان ہو گیا اور جب انہوں نے اپنے آنے کا مقصد بتایا تو وہ اور بھی گھبرا گیا اور آکر بیوی سے بولا۔

"لے بھاگوان! شاید راجا کو پتا چل گیا ہے کہ تو نے اسے گھاس کھلائی ہے۔ اب تیرے ساتھ میری بھی خیر نہیں۔ پتا نہیں کیا حشر ہو گا"۔

بیوی شوہر سے زیادہ سمجھ دار تھی، کہنے لگی۔ "اگر راجا ناراض ہوتا تو مجھے گرفتار کرنے کا حکم دیتا۔ پالکی بھیج کر نہ بلاتا۔ تم بے فکر رہو اور میرے ساتھ چلو"۔

عورت پالکی میں سوار ہو گئی۔ مزدور پیادوں کے ہم راہ پالکی کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ دربار میں راجا کے ساتھ رانی بھی موجود تھی۔ وہ سیدھی سادی دیہاتی عورت کو دیکھ کر مسکرائی اور اس نے عورت سے پوچھا۔

"کیوں بھئی تم نے وہ کیا چیز راجا صاحب کو کھلائی جس کی یہ تعریف کرتے نہیں تھک رہے؟"

یہ سن کر عورت کا حوصلہ بندھا اور اس نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا "رانی صاحب! جان کی امان پاؤں تو عرض کروں!"

"ہاں تم بے دھڑک کہو۔ ہم تو تم سے بہت خوش ہیں۔ انعام دینے کے لیے تمہیں یہاں بلایا ہے۔ خفا ہونے کے لیے نہیں" راجا نے جواب دیا۔

"حضور! ہم بے حد غریب لوگ ہیں۔ جب آپ کے سپاہی نے میرے دروازے پر آکر سوال کیا کہ مسافر ہے اور بھوکا ہے۔ میرے گھر میں پکانے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ صحن کے ایک کونے میں خود رو گھاس اگی ہوئی تھی، میں نے وہی نکال کر دھوئی اور کاٹ کر بگھار دی اور میں کیا کرتی؟ مجبور تھی پاس کچھ نہ تھا اور سوالی کو خالی ہاتھ بھیجنے کو دل نہیں مانا۔ پھر مجھے یہ بھی تو معلوم نہ تھا کہ کھانا راجا صاحب کے لیے مانگا جا رہا ہے"۔

اتنا کہہ کر وہ رونے لگ گئی۔ اس وقت سب کے سامنے اسے اپنی بے مائیگی پر بے حد خفت ہو رہی تھی۔

یہ سارا بیان سن کر راجا نے کہا۔ "واہ! سوچنے کی بات ہے کہ جو عورت گھاس اس قدر لذیذ پکا سکتی ہے وہ دوسری چیزیں کیسی پکاتی ہو گی۔ ہم آج سے وہ پرگنہ جس میں اس کا جھونپڑا ہے ان دونوں میاں بیوی کے نام کرتے ہیں اور بی بی کو راج محل کی رسوئی گھر کی نگران مقرر کرتے ہیں۔ یہ میاں بیوی اب راج محل میں رہیں گے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ پرگنہ جو اس گھاس کھلانے والی عورت کو جاگیر کے طور پر ملا ہندوستان کا ایک وسیع علاقہ تھا جو گڑگانواں کہلاتا ہے۔

ایک خوش پوش باوقار شخص ہاتھ میں بریف کیس تھامے گھبرایا ہوا اسٹیشن ماسٹر کے کمرے میں داخل ہوا اور عجلت سے پوچھا۔ "کیا ایکس پریس جا چکی؟"

"جی ہاں"

"اور مال گاڑی"

"وہ تو رات 11 بجے گزرے گی"

"لوکل ٹرین؟"

"جناب' وہ تو چار بجے روانہ ہو جاتی ہے"

اس شخص نے گہرا سانس لیا اور جانے کے لیے مڑا۔

"مگر محترم' آپ کو جانا کہاں ہے؟" اسٹیشن ماسٹر قدرے زچ ہو کر بولا۔

"دراصل مجھے ریل کی پٹری کراس کرنی ہے" اس شخص نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے جواب دیا

(شذرہ صیامی لاہور)

استاد (شاگرد سے): "اے بی سی سناؤ"

شاگرد "جناب بڑی یا چھوٹی"۔ (صبا منزل رانا' لاہور)

ایک کپڑے کی دکان کے باہر بینر پر لکھا تھا "توجہ فرمائیں بڑھیا کو الٹی آگئی ہے"۔

ایک نرسری جماعت کی بچی نے اسے کچھ اپنے انداز سے یوں پڑھا۔

"توجہ فرمائیں' بڑھیا کو الٹی آگئی"۔

(محمد رضوان ادریس' لاہور)

چوری کے الزام میں پکڑے جانے والے لڑکے کے باپ کو مجسٹریٹ نے غصے سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا "آپ اپنے بیٹے کی صحیح تربیت کیوں نہیں کرتے؟"

لڑکے کے باپ نے کہا "تربیت تو میں نے اس کی بہت اچھی کی تھی مگر کم بخت ہر بار پکڑا جاتا ہے۔

(فہیم اللہ مروت ڈیرہ اسماعیل خان)

ایک چور چوری کرتے وقت پکڑا گیا۔ رہائی کے وقت دوسرے ساتھی نے اس سے پوچھا "تم سب سے پہلے کون سا کام کرو گے؟"

"سب سے پہلے میں ٹارچ خریدوں گا کیوں کہ میں نے چوری کرتے وقت لائٹ کی جگہ ٹیپ کا بٹن آن کر دیا تھا۔ (انضمام الحق' لاہور)

ایک وکیل (دوسرے وکیل سے): میرے موکل کی حرکت دیکھی؟

دوسرا وکیل: کیا ہوا؟

پہلا وکیل: میں نے اسے جعلی نوٹوں کے مقدمے میں بری کروایا' وہ کم بخت مجھے فیس میں وہی نوٹ دے گیا۔

(راجا حامد رشید کیانی جنڈالہ)

ڈاکٹر (دولت مند مریض سے): معلوم ہوتا ہے آپ کو میرے علاج سے فائدہ ہو رہا ہے۔

مریض: جی ہو رہا ہے مگر اتنا نہیں جتنا آپ کو مجھ سے ہو رہا ہے۔ (دائس محمد خاں لاہور)

افسر: تم دیر سے کیوں آئے ہو؟

ملازم: سر! میری نانی کا انتقال ہو گیا تھا۔

افسر: اچھا آئندہ خیال رکھنا' دوبارہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ (میمونہ شکور او و عبدالحکیم)

آپ بھی لکھیے

موازنہ

صولت علی، لاہور

عابد کو اس گھر میں شفٹ ہوئے دوسرا دن تھا۔ اس کا زیادہ وقت اشیا کی درستی اور سیٹنگ میں لگ جاتا۔ حال آں کہ اکیلا بندہ تھا اور سامان بھی زیادہ نہ تھا مگر یہ سب کچھ کرتے کرتے وہ تھک جاتا۔

تین کمروں کا یہ مکان اس کے لیے بہت تھا۔ نئی نئی نوکری تھی اور نیا شہر لیکن اس نے کسی نہ کسی طرح سب کچھ سنبھال لیا۔ جو چیز باعث دقت تھی وہ بڑی سڑک کا گھر سے فاصلہ تھا۔ اس کا مکان گلی کی نکڑ پر واقع تھا۔ مکان سے سڑک تک کا فاصلہ تقریباً 500 گز تھا۔ اسے ویگن سے اتر کر پیدل یہ فاصلہ طے کرنا پڑتا تھا۔ اصل مسئلہ واپسی پر ہوتا تھا۔ جب دفتر سے تھکے ہوئے گرمیوں کی دوپہر میں سنسان گلی سے ہوتے ہوئے گھر پہنچنا پڑتا۔

نئے ہمسائے سب کے سب ہی بہت معاون اور مددگار تھے۔ وہ سب کے حسن سلوک سے بہت متاثر تھا لیکن جو ایک بات اس نے نوٹ کی وہ سب کا دبے دبے انداز میں ایک ہمسائے نعیم سے ہوشیار رہنا تھا۔ عابد نعیم کے متعلق کچھ متجسس ہو گیا کہ آخر ایسی بھی کیا بات ہے۔

ایک روز دفتر سے لوٹتے ہوئے اس کی ملاقات نعیم سے ہو گئی۔ نعیم اسے پہلی ملاقات میں نہایت معقول شخص محسوس ہوا۔ وہ عابد سے بہت اخلاق سے پیش آیا اور ہر قسم کی مدد کی پیش کش کی لیکن عابد نے شکریے کے ساتھ انکار کر دیا۔

پتا نہیں لوگ اس سے کیوں خائف ہیں حال آں کہ وہ جب بھی عابد سے ملتا عابد اسے بہت خلوص سے ملتا ہے۔

ایک روز نعیم عابد سے ملا اور بہت جھجکتے ہوئے کچھ روپوں کا تقاضا کیا اور وعدہ کیا کہ وہ وقت آنے پر لوٹا دے گا۔ رقم بہت معمولی تھی لہٰذا عابد نے بغیر پس و پیش کے اس کو دے دی اور کہا کہ وہ آرام سے جب چاہے لوٹا دے۔ نعیم اس کا بہت شکر گزار ہوا اور خوشی خوشی چلا گیا۔ عابد اپنی نیکی پر بہت خوش تھا لیکن اسے کیا معلوم تھا کہ یہ نیکی اس کے گلے پڑ جائے گی۔

اب دفتر سے واپسی پر اسے اکثر نعیم مل جاتا۔ اس کا گھر گلی کے شروع ہی میں تھا۔ نعیم اس سے عموماً چھوٹی موٹی رقم کا تقاضا کرتا اور پچھلی رقم نہ لوٹاتا تھا۔ اب عابد اس سے بچتا پھرتا تھا۔

ایک روز عابد دفتر سے واپس آ رہا تھا۔ جب وہ گلی میں داخل ہوا تو گلی سنسان پڑی تھی۔ کچھ دیر چلنے کے بعد اسے احساس ہوا جیسے اس کے پیچھے کوئی آ رہا ہے۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو ایک آوارہ کتا تھا۔ اس نے کوئی پروا نہ کی اور چلتا ہوا گھر پہنچ گیا۔ تالا کھول کر جب وہ اندر جانے لگا تو کتے کو باہر موجود پایا۔ اس نے کھانا گرم کیا اور کھانے لگا۔ جب وہ ہڈیاں وغیرہ باہر موجود ڈبے میں پھینکنے آیا تو کتا اب تک وہیں تھا۔ اسے کتے پر ترس آ گیا اور اس نے اندر سے ایک بوٹی لا کر اس کو ڈال دی۔ کتے نے خوشی خوشی بوٹی کھانا شروع کر دی۔

اب جب بھی عابد گلی میں داخل ہوتا کتا اس کے پیچھے پیچھے چل پڑتا۔ عابد بھی اسے بچا کھچا کھانا ڈال دیتا۔ کتا خوشی خوشی کھا لیتا۔

اب تک تو نعیم نے چھوٹی موٹی رقوم کا تقاضا کیا تھا مگر اس بار اس نے یک مشت دس ہزار روپے کا تقاضا کر دیا اور کہا کہ مجھے روپے بہت ضروری چاہئیں اور وہ جلد ہی یہ رقم لٹا دے گا۔ عابد نے پیسوں کی کمی کا عذر کر کے جان چھڑوانی چاہی تو نعیم بولا کہ وہ چند روز میں انتظام کر لے۔ عابد نے دبے لہجے میں انکار کر دیا اور چل پڑا۔

یہ جولائی کی دوپہر تھی۔ گرمی کی وجہ سے لوگ گھروں میں چھپے بیٹھے تھے۔ عابد دفتر سے گھر آرہا تھا۔ آج اس کے پاس بیس ہزار روپے تھے جو ایک بیگ میں تھے۔ یہ رقم اسے کل بنک میں جمع کروانی تھی۔ رقم اس کے گھر والوں نے بھیجی تھی تاکہ وہ بنک میں جمع کروا دے۔ گلی معمول کے مطابق سنسان تھی۔ عابد تیز تیز قدم اٹھاتا گھر کی جانب چل پڑا۔ نکڑ پر موجود کتا اس کے پیچھے رواں دواں تھا۔ عابد دل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا کہ آج کہیں نعیم نہ مل جائے لیکن شومئی قسمت نعیم اس وقت بھی اپنے گیراج میں کھڑا بائیک دھو رہا تھا۔ اس نے عابد کو دیکھ لیا اور آواز دی "عابد صاحب"

عابد نے قدم تیز رفتار کر دیئے۔ وہ تو شاید آواز کو بھی نظر انداز کر دیتا مگر نعیم تقریباً دوڑتا ہوا اس تک پہنچ گیا۔ عابد لاشعوری طور پر بیگ کو جسم کے پیچھے چھپانے لگا۔ "کیا بات ہے؟ آج منہ چھپائے نکل رہے ہیں"۔ نعیم کی آواز میں طنز تھا

"وہ بس ذرا جلدی تھی" عابد ہکلایا۔

نعیم بولا "وہ آپ کو کام کہا تھا؟"

"یار وہ روپے ہی نہیں آج کل" عابد نے بیگ کو پیچھے چھپاتے ہوئے کہا۔

"یہ بیگ میں کیا ہے؟" نعیم نے پوچھا۔

"تمہارے کام کی کوئی چیز نہیں" عابد نے لرزتے ہوئے کہا۔

"ارے دکھایئے تو سہی" نعیم نے جو عابد کے لہجے سے کچھ کچھ اندازہ لگا چکا تھا اور اس کی حرکات نعیم کے شک کو پختہ کر رہی تھیں، بیگ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ عابد بدک گیا اور گھر کی جانب چلنے لگا۔ "مجھے جلدی ہے"

نعیم نے اچک کر بیگ پر ہاتھ ڈال دیا۔ "ارے دکھایئے تو سہی" یہ کہ کر اس نے زپ کھولی تو نوٹ دیکھ کر اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"بس جی ہمارا کام تو بن گیا" اس نے بیگ پر قبضہ جمانا چاہا۔

"یار، یہ میرے روپے نہیں۔ دیکھو میں تمہیں پھر لا دوں گا" عابد منتوں پر اتر آیا مگر نعیم نے بیگ چھین لیا۔ عابد نے اب اس پر حملہ کر دیا لیکن نعیم نے اسے آسانی سے پچھاڑ دیا۔ گلی سنسان پڑی تھی۔ نعیم بیگ لے کر چلنے لگا تو اچانک اس کے ہاتھ کو جھٹکا لگا اور بیگ نیچے جا پڑا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو یہ ایک آوارہ کتا تھا۔ نعیم نے اسے ڈرانا چاہا مگر وہ غرانے لگا۔ نعیم نے بیگ اٹھانا چاہا تو کتا اس پر جھپٹ پڑا۔ اس نے کتے کو دور جھٹکا اور ایک پتھر اٹھا کر دے مارا لیکن کتا تو وحشی ہو چکا تھا۔ وہ ہر چوٹ پر بڑھ چڑھ کر حملہ کرتا۔ اس کے جوش میں کوئی کمی نہ آئی تھی۔

نعیم کا کتے نے برا حال کر دیا تھا۔ اس کے کپڑے جگہ جگہ سے پھٹ چکے تھے۔ جسم پر زخموں اور خراشوں کے نشان تھے۔ کتے کا حال بھی اچھا نہ تھا مگر وہ بیگ پر ڈٹا کھڑا تھا۔ آخر نعیم کو بھاگنا پڑا اور کتا بیگ کے قریب کھڑا اپنی دم ہلا رہا تھا۔ عابد زمین پر پڑا کبھی کتے کو دیکھتا اور کبھی بھاگتے ہوئے نعیم کو۔ وہ دراصل انسان اور حیوان میں موازنہ کر رہا تھا

(پہلا انعام: 100 روپے کی کتابیں)

بندروں نے کھیلی کرکٹ

عاصم شہزاد ہاشمی، بنوں

نیشاپور کی بستی کے قریب ہی ایک چھوٹا مگر بہت ہی گھنا جنگل تھا۔ اس جنگل میں خطرناک جانور بالکل تھے ہی نہیں۔ سب عام جانور تھے۔ خرگوش، لومڑی، گیدڑ اور پرندے وغیرہ یہاں زیادہ تعداد میں نہ تھے لیکن بندر یہاں بہت زیادہ تھے۔ یہ تمام بندر بہت چالاک تھے۔ خاص طور پر ان کی ایک ٹولی بہت شریر تھی۔ اس ٹولی میں ایک لنگور اور چار بندر، شیر و بندر، کالو بندر، لامی بندر، چھیمو لنگور اور پنکی بندر تھے۔ اس جنگل میں دو خوب صورت میدان تھے۔ ان میں سے ایک میدان بہت کھلا اور سدا بہار پھولوں سے بھرا رہتا تھا۔ یہاں ایک ندی بہتی تھی۔ پھل دار درخت بھی کثرت سے تھے۔ جس کی وجہ سے یہاں بہت سے لوگ پک نک منانے آتے تھے اور ان شریر بندروں کی شرارتوں کا نشانہ بنتے تھے۔

ایک روز صبح کے وقت ایک پک نک پارٹی پکنک منانے آئی۔ اس پارٹی میں چار بچے تھے جو اپنے والدین کے ساتھ آئے تھے۔ یہ بچے اپنے ساتھ کرکٹ کا سامان بھی لائے تھے اور سیر کرنے کے بعد کرکٹ کھیلنے لگے تھے۔ بندروں کو یہ کھیل اچھا لگا۔ وہ درختوں پر چھپے خاموشی سے کرکٹ کو سمجھ رہے تھے۔ شیر و بندر بولا۔ "ہمیں

یہ تمام کھیل کا سامان ان سے چرانا ہوگا تاکہ ہم بھی اس کھیل کو کھیل کر خوش ہو سکیں"۔

کالو بندر فوراً بولا "ہم یہ کام دوپہر کو کریں گے"۔

دوپہر کے وقت بچے اور ان کے والدین آرام کرنے لگے۔ اتنے میں بندر بھی پہنچ گئے۔ انہوں نے وکٹیں، بلا، گیند ٹوپی اور پیڈ سب کچھ احتیاط سے چرالیا اور دوسرے میدان کی طرف دوڑ پڑے پھر وہاں پہنچ کر ہی دم لیا۔ انہوں نے یہاں وکٹیں گاڑیں۔ شیر و بندر نے خود بلا تھاما اور کالو بندر کو گیند پکڑائی۔ چھیمو لنگور امپائر بن گیا۔ پنکی بندر لیگ پر کھڑا تھا۔ لامی بندر وکٹ کیپر بن گیا۔ شیر و بندر نے پیڈ باندھ لیے۔ کالو بندر نے گیند گھما کر پھینکی۔ شیر و نے آؤ دیکھا نہ تاؤ بلا گھما دیا۔ دھماکے جیسی آواز ابھری اور گیند دور جھاڑیوں میں جا پڑی۔

امپائر چھیمو لنگور نے چوکے کا اشارہ کیا اور شیر و بندر کا سینہ تن گیا۔ کالو نے پھر گیند گھمائی۔ شیر و نے بغیر سوچے سمجھے بلا گھمایا اور گیند وکٹوں کو چیرتی ہوئی نکلی۔ اب کالو کی باری تھی۔ شیر و بندر نے بال کرائی۔ بلا گھوما اور بال جھاڑیوں میں پھنس گئی۔ جسے پنکی بندر نے باہر نکالا۔ شیر و بندر نے ایک اور بال کرائی۔ گیند بلے کو لگی اور وکٹ کیپر لامی بندر کی طرف آئی۔ لامی بندر نے گیند کو پکڑنا چاہا لیکن پاؤں میں پاؤں اڑا اور لامی بندر زمین بوس ہو گئے۔ اس کے دو دانت ٹوٹ گئے تھے۔ اس لیے شیر و بندر نے لامی بندر کو امپائر بنایا اور چھیمو لنگور فیلڈنگ کرنے لگا۔

شیر و بندر نے دوبارہ بال کرائی۔ کالو نے اب جو زبردست ہٹ لگائی تو گیند اڑتی ہوئی درختوں کے جھنڈ میں موجود شہد کی موٹی مکھیوں کے چھتے سے ٹکرائی۔ شہد کی مکھیاں بھنا اٹھیں اور اسی طرف اڑیں جس طرف بندر موجود تھے۔ بندروں نے دوڑ لگا دی لیکن مکھیوں نے انہیں گھیر کر اتنے ڈنک مارے کہ وہ بندروں سے بن مانس بن گئے اور کئی ہفتے اسی حالت میں رہے۔ جب پک نک والے جاگے تو وہ چیزیں ڈھونڈتے ہوئے دوسرے میدان میں پہنچ گئے۔ انہیں وہاں اپنا سامان مل گیا۔ لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ سامان یہاں کیسے پہنچا؟ (دوسرا انعام: 90 روپے کی کتابیں)

آہ وہ سہیلی

نیلم زاہدہ، لاہور

یہ مئی 1999ء کی بات ہے۔ میں اپنی نانی جان کے پاس آزاد کشمیر گئی۔ میری نانی اور نانا جان آزاد کشمیر کے ایک گاؤں سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ گاؤں جس جگہ پر واقع ہے وہاں سے چند کلو میٹر کے فاصلے پر بارڈر لائن ہے۔ بھارتی فوج آئے دن لائن کے قریب واقع دیہات پر فائرنگ کرتی رہتی ہے۔

ہمارے گاؤں کی خواتین پانی کی کمی کی وجہ سے کپڑے ندی پر ہی جا کر دھوتی ہیں۔ اسی طرح ارد گرد کے دوسرے گاؤں کی عورتیں بھی وہاں آجاتی ہیں۔ تمام خواتین کام کے ساتھ ساتھ گپ شپ بھی لگاتی رہتی ہیں۔ اس طرح انہیں ارد گرد کی معلومات بھی حاصل ہو جاتی ہیں۔ مجھے اپنے گاؤں میں بے حد مزہ آتا ہے کیوں کہ وہاں ہر طرف ہریالی ہی ہریالی ہے۔

میں اور میری کزن ثنا تمام دن ارد گرد کے کھیتوں میں کھیلتی رہتیں۔ ایک دوپہر جب خالہ جان کپڑے اٹھائے ندی کی طرف جا رہی تھیں تو میں بھی ان کے ساتھ چل پڑی۔ ندی پر پہنچنا مجھے بہت اچھا لگا۔ میری خالہ اور ان کی کچھ سہیلیاں آپس میں گفت گو کرنے لگیں۔ اتنے میں سامنے پہاڑی سے ایک عورت اور ایک لڑکی نیچے اترتی دکھائی دیں۔ وہ بھی غالباً کپڑے دھونے کی غرض سے آئی تھیں۔ قریب آنے پر معلوم ہوا کہ وہ عورت نصرت ہے جو کہ قریبی گاؤں میں رہتی ہے۔ اس کے ساتھ اس کی بیٹی عاشی تھی۔ نصرت کو میری خالہ جانتی تھیں۔ انہوں نے عاشی سے میرا تعارف کرایا۔ عاشی میری ہم عمر ہی تھی۔ میں نے عاشی سے پوچھا کہ وہ کس جماعت میں پڑھتی ہے۔ اس نے مجھے جواب دیا کہ وہ چہارم جماعت کی طالبہ ہے اور مستقبل میں اس کا ارادہ ڈاکٹر بننے کا ہے۔ عاشی واقعی ایک ذہین لڑکی تھی۔ میں نے اس سے کہا کہ تم کل ضرور میری نانی جان کے گھر آنا۔ مجھے تم سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہے۔ عاشی نے مجھ سے وعدہ کیا کہ وہ کل ضرور آئے گی۔

اب خالہ اپنے کام سے فارغ ہو چکی تھیں۔ انہوں نے مجھے گھر واپس چلنے کو کہا۔ میں نے عاشی سے کہا کہ میں کل اس کا انتظار کروں گی۔

اس نے ایک بار پھر آنے کا وعدہ کیا۔ ہم اسے خدا حافظ کہ کر چل دیئے۔ میں نے گھر واپس آکر نانی جان کو بتایا کہ میں نے آج اپنی ایک نئی دوست بنائی ہے۔ وہ کل آئے گی تو میں آپ کی ملاقات اس سے کراؤں گی۔

اس رات کافی بارش ہوئی اور طوفان بھی آیا۔ بارش کی آواز کے ساتھ ساتھ بھارتی فوج کی فائرنگ کی آواز بھی صاف سنائی دے رہی تھی۔ اگلی صبح جب میں بیدار ہوئی تو پورے گھر میں عجیب سی خاموشی تھی۔ نانی جان نے بتایا کہ رات بھارتی فوج کی فائرنگ سے ندی پار گاؤں کے کچھ لوگ شہید ہوگئے ہیں۔ پھر نانی جان نے مجھے ناشتا دیا مگر میں نے کہا کہ مجھے بھوک نہیں۔ ان کے اصرار پر میں نے ایک کپ چائے پی۔

ابھی میں چائے پی ہی رہی تھی کہ نانی جان کی پڑوسن خالہ تاج آئیں۔ انہوں نے بتایا کہ رات فائرنگ سے ایک شخص اکرم اور دو عورتیں نائلہ، فرزانہ اور اس کے ساتھ نصرت کی بیٹی عاشی بھی شہید ہو گئی ہے۔ عاشی کا نام سنتے ہی میرے تو جیسے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی ہو۔ میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے۔ مجھے یاد آگیا کہ اس نے تو آج مجھ سے ملنے کا وعدہ کیا تھا۔

پھر نانی جان خالہ اور دیگر خواتین کے ہم راہ جب میں عاشی کے گاؤں پہنچی تو وہاں چیخوں کا ایک شور سنائی دے رہا تھا۔ ہر شخص کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ عاشی کی ماں نصرت تو اس کے غم میں نیم پاگل ہو چکی تھی۔ عاشی کو سینکڑوں افراد کی موجودگی میں منوں مٹی تلے دفن کر دیا گیا۔ میں آج بھی جب کبھی گاؤں جاتی ہوں تو مجھے عاشی کا وعدہ یاد آجاتا ہے۔ میں سوچتی ہوں کہ نجانے کتنی پر خلوص عاشی روزانہ بھارتی فوج کی وحشیانہ فائرنگ کی نظر ہو جاتی ہیں (تیسرا انعام: 80 روپے کی کتابیں)

میں کیا بنوں گا؟

زید حسین، کراچی

کامران کے ابو دبئی سے آئے ہوئے تھے۔ گھر میں بڑی رونق تھی۔ ان کے دونوں بھائیوں کے بچے ساتھ ہی رہتے تھے جس کی وجہ سے چہل پہل ہونا لازمی تھا۔ سردیوں کی ایک شام سب ڈرائنگ روم میں بیٹھے چلغوزے اور مونگ پھلی سے شغل کر رہے تھے۔ ٹھیک ٹھاک محفل جمی تھی۔ باتیں کرتے ہوئے اچانک کامران کے ابو نے بچوں سے کہا۔ "بھئی! آج تک آپ لوگوں نے بتایا ہی نہیں کہ بڑے ہو کر کیا بنیں گے؟ چلیں آج باری باری سب بتائیں"

کامران کے ابو کی بات سن کر سب بچے خوش ہوگئے۔

"اور جو سب سے اچھے خیالات پیش کرے گا وہ انعام کا مستحق ہو گا" منصور ماموں نے لقمہ دیا جو کامران کے ابو کے برابر میں بیٹھے ہوئے تھے۔

"ویری گڈ' یہ ہوئی ناں بات" نعمان خوش ہو گیا..... منصور ماموں نے اپنے لڑکوں کو ایک طرف کر لیا اور کامران نعمان اور انور اپنے ابو مراد صاحب کی طرف ہو گئے۔ اب باری باری سب کھڑے ہو کر بتانے لگے کہ بڑے ہو کر کیا بنیں گے!!

سب سے پہلے انجم کھڑا ہوا اور بولا۔ "میں بڑا ہو کر فوجی بنوں گا تاکہ ملک کی سرحدوں کی حفاظت کر سکوں"۔

"شاباش!"

سب نے بھرپور انداز سے تالیاں بجائیں۔ تالیاں ختم ہوئیں تو فہد نے کہا "میں ایک قابل ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں تاکہ ملک کے نادار مریضوں کا مفت علاج کروں"۔

فہد کے نیک ارادے سن کر سب خوش ہوئے اور بہت ساری تالیاں بجائی گئیں۔

فہد کے بعد انور کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ "میں ایک کام یاب وکیل بن کر ان لوگوں کی وکالت کروں گا جنہیں ان کا حق نہیں ملتا"۔

"شاباش! بھئی بہت اچھے" کامران کے ابو نے کہا۔

نعمان کھڑا ہوا اور مقرروں کی طرح بولا۔ "جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ہمارے ملک میں انجنیئرز کی کمی ہے جس کی وجہ سے ہمارا ملک ترقی نہیں کر پا رہا اور بحران کا شکار ہو رہا ہے۔ میں بڑا ہو کر انجنیئر بنوں گا اور ملک و ملت کی خدمت اور ترقی کے لیے کام کروں گا"۔

اتنا کہ کر نعمان بیٹھ گیا پھر بہت ساری تالیاں بجیں اور اب فرحت کی باری آگئی۔ فرحت نے کہا۔ "میں صحافی بنوں گی۔ غریبوں کو قلم کے ذریعے ان کا حق دلاؤں گی اور سچائی کے راستے پر چلوں گی"۔

فرحت جیسے ہی خاموش ہوئی تو تالیاں بجنے لگیں۔ پھر

خاموشی چھائی تو منصور ماموں بولے "بھئی سمجھ میں نہیں آرہا کہ انعام کس کو دیا جائے؟ سب ہی کے خیالات لاجواب اور بہت اچھے ہیں"۔

"ارے بھئی! کامران میاں ابھی باقی ہیں۔ ان کے خیالات بھی تو پوچھ لیں"۔ کسی نے توجہ دلائی۔

"ارے بھئی! یہ تو بہت چھوٹا ہے اسے مستقبل کی فکر کہاں ہو گی" ماموں بولے۔

"لیکن اس سے پوچھا تو جانا چاہیے..... کیوں کامران بیٹے، تم کچھ نہیں کہو گے؟" ابو نے کہا تو کامران خاموش نگاہوں سے سب کو دیکھنے لگا۔

"ہاں ہاں بتاؤ" سب بولے تو کامران نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"میں انسان بنوں گا۔ کیوں کہ ہمارے ملک میں انسانوں کی بڑی کمی ہے اور جو انسان ہوتا ہے وہ سب سے پیار کرتا ہے اور سب کے کام آتا ہے"۔

"شاباش! تم واقعی اچھے انسان بنو گے۔ تم نے سب کو ہرا دیا۔ یہ لو اپنا انعام" منصور ماموں نے اٹھ کر ننھے کامران کا ماتھا چوم لیا (چوتھا انعام: 70 روپے کی کتابیں)

توبہ

عمیر ناصر، جھنگ

جس مدرسے میں ہم پڑھتے تھے وہاں ہم شرارتیں بھی بہت کرتے تھے۔ ہمارا پانچ لڑکوں کا گروپ تھا۔ سب لڑکے ہماری شرارتوں سے تنگ تھے۔ ہماری کلاس بیٹھتی ہی کچھ ایسی جگہ تھی کہ جس کو بھی پانی وغیرہ پینے کے لیے جانا پڑتا تھا وہ ہمارے سامنے سے گزرتا تھا۔ ہم مذاق میں ہی اپنی ٹانگ آگے کر دیتے۔ اس طرح پانی پینے کے لیے آنے والا لڑکا اڑ کر گرنے والا ہو جاتا اور ہم سب قہقہے لگاتے۔ وہ بے چارہ خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتا۔

ایک دن ایسا ہوا کہ ہمیں سبق مل گیا۔ اس دن ایک لڑکا چھٹی لے کر جا رہا تھا کہ میرے ایک دوست نے ٹانگ آگے کر دی۔ وہ لڑکا بڑا خوش جا رہا تھا کہ ایک دم ٹانگ کے سامنے آنے کی وجہ سے لڑکھڑا کر گرا۔ اس کا سر زمین پر زور سے لگنے کی وجہ سے پھٹ گیا۔ اس کے بعد قاری صاحب اسے فوراً ڈاکٹر کے پاس لے گئے۔ ڈاکٹر نے اس کی مرہم پٹی کی۔ اس دن قاری صاحب سے ہماری خوب پٹائی بھی ہوئی اور گھر والوں نے جرمانہ بھی کر دیا یعنی ایک ماہ کی پاکٹ منی بند کر دی گئی۔ اس کے بعد سے ہم نے ایسی شرارتوں سے توبہ کر لی جن سے دوسروں کو نقصان پہنچے (پانچواں انعام: 60 روپے کی کتابیں)

تعبیر

سعدیہ اسلم، لاہور

احسن بہت چھوٹی عمر میں یتیم ہو گیا تھا۔ اس کے والد کو دہشت گردوں نے قتل کر ڈالا تھا۔ اب یہ لوگ بہت غریب ہو گئے تھے۔ احسن کی ایک چھوٹی بہن تھی۔ اس کا نام مریم تھا۔ احسن بہت ہی غیرت مند اور خوددار بچہ تھا۔ وہ صبح کو اخبار بیچتا اور پھر اسکول جاتا۔ اسکول سے واپس آکر برف کے گولے بیچتا پھر رات کو خوب پڑھائی کرتا۔ ان کی امی سلائی کڑھائی کر کے اپنا اور بچوں کا پیٹ پالتی تھیں۔

احسن کا ایک ہی خواب تھا۔ وہ یہ کہ وہ بڑا ہو کر پولیس آفیسر بنے۔ کئی بار وہ اس خواہش کا اظہار کر چکا تھا۔ جب بھی وہ اپنی امی سے اس خواہش کا اظہار کرتا تو اس کی امی کہتیں "میرا بیٹا پولیس میں جائے گا اور اپنے باپ کے قاتلوں کو پکڑے گا"۔

احسن نے بہت محنت کی اور اپنی خواہش کی تعبیر حاصل کر لی۔ اس نے اپنے باپ کے قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچا کر دم لیا۔ آج احسن ایک پولیس انسپکٹر ہے اور اپنا کام پوری ایمان داری سے کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں قوم کا خادم ہوں اور اپنے علاقے کے عوام کے جان و مال کی حفاظت میری ذمہ داری ہے۔ حقیقت میں بھی وہ اپنا یہ فرض پوری ذمہ داری اور انتہائی ایمان داری سے انجام دیتا ہے۔ علاقے بھر کے لوگ اس سے بہت خوش ہیں۔ انہیں اس بات پر ناز ہے کہ ان کے علاقے میں اتنا فرض شناس انسپکٹر تعینات ہے (چھٹا انعام: 50 روپے کی کتابیں)

کارٹون کہانی

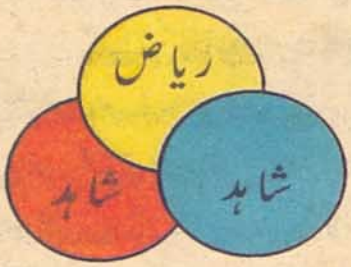

گنجو میاں ہوئے کاروبار میں ناکام

گنجو میاں کے جاتے ہی ملک صاحب کو شرارت سوجھی۔ انہوں نے پالش کی ڈبیوں کے ڈھکن کریم پر اور کریم کے پالش پر لگا دیے
لو جی کریم بن گئی پالش اور پالش بن گئی کریم

جب لوگوں نے سنا کہ صرف ایک منٹ میں رنگ گورا ہو جائے گا تو انہوں نے یقین نہ کیا اور گنجو میاں سے کہا۔

اس کے بعد گنجو میاں نے کریم کی ڈبی سے کریم نکالی اور منہ پر ہی نہیں بلکہ سر پر بھی لگانا شروع کر دی

بچو گنجو میاں اس بات سے بے خبر تھے کہ ملک صاحب نے ڈبیوں کے ڈھکن بدل دیئے ہیں..... کریم لگانے کے بعد وہ بڑے فخریہ انداز میں بولے

پھر بچو پورا مجمع زور زور سے ہنسنے لگا مگر گنجو میاں کچھ سمجھ نہ سکے۔ ایک شخص نے ان کی طرف آئینہ بڑھا کر کہا

EVERNEWCONCEPTS

یہ کر کے ہم دکھائیں گے

عبدالحفیظ ظفر

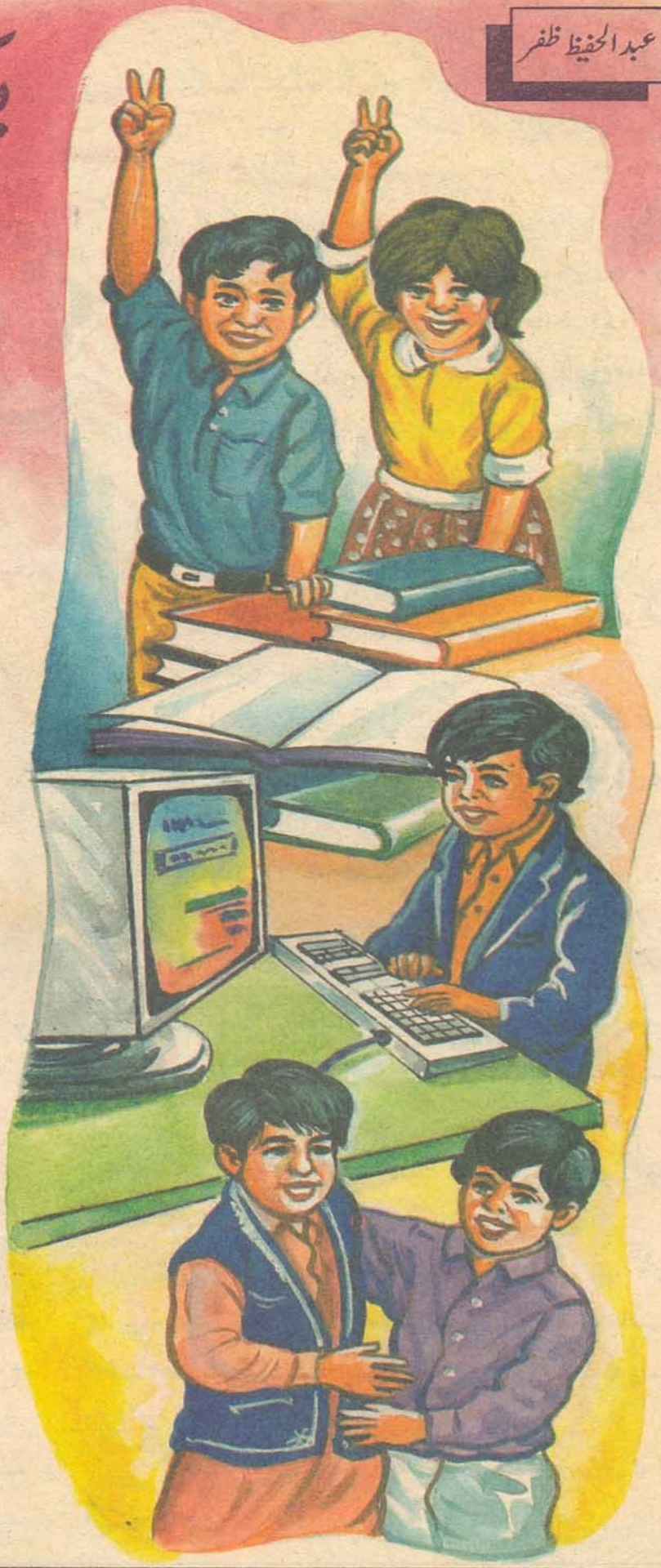

برائی کو مٹائیں گے
وطن حسیں بنائیں گے
کریں گے ختم نفرتیں
وفا کے گیت گائیں گے
یہ کر کے ہم دکھائیں گے

ہر اک کو خوش کریں گے ہم
نہیں رہے گا کوئی غم
جو ہم سے روٹھ جائے گا
ہم اس کو بھی منائیں گے
یہ کر کے ہم دکھائیں گے

ہمارے اس وجود سے
دیئے جلیں گے علم کے
ظفر یہ اپنا عزم ہے
پڑھیں گے اور پڑھائیں گے
یہ کر کے ہم دکھائیں گے

سلسلہ وار

قسط نمبر 6

خطرہ میں ہیں

فرش پر سونے کی ایک انگوٹھی پڑی تھی..... وہ خوب چمک دمک رہی تھی۔

"یہ..... یہ ہم سب میں سے کس کی ہے؟" زوار خان مارے حیرت کے بولا..... اس کی آنکھیں باہر کو نکلنے کے قریب تھیں۔

سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور نفی میں سر ہلائے۔

"گویا یہ ہم میں سے کسی کی نہیں..... تب یہ استاد یا اس کے کسی ساتھی کی ہے؟" احسان میاں بولے۔

"لیکن زوار خان..... آپ اس قدر خوف زدہ کیوں ہیں"۔

"یہ انگوٹھی میں پہلے کسی کی انگلی میں دیکھ چکا ہوں"۔

"اوہ، لیکن کس کی انگلی میں" سردار حامد چلائے۔

"مم..... مجھے..... اب یاد نہیں آرہا....."

"حد ہو گئی..... پہلے آپ کو استاد وغیرہ کی آوازیں جانی پہچانی محسوس ہوتی رہی ہیں..... اور اب یہ انگوٹھی جانی پہچانی..... اور آپ کو یاد آ نہیں رہا..... ہے کوئی تک" سردار حامد نے جل بھن کر کہا۔

"شش..... شوکی کو فون کریں..... شوکی کو" اس نے شدید بے چینی کے عالم میں کہا۔

"ہاں یہ کام ہم ضرور کریں گے..... اس معاملہ کا سراغ اب وہی لگائیں گے..... ہمیں ان کا فون نمبر معلوم ہے"۔ یہ کہہ کر سلمان اٹھا، فون کی طرف گیا اور نمبر ڈائل کرنے لگا۔

جونہی سلسلہ ملا دوسری طرف سے آواز آئی۔ "یہ شوکی برادرز کا دفتر ہے..... اگر آپ ہم سے کوئی مسئلہ حل کرانا چاہتے ہیں تو نصف معاوضہ ایڈوانس دینا ہوگا..... اس کے علاوہ ہم کوئی غیر قانونی معاملہ اپنے ہاتھ میں ہرگز نہیں لیتے..... یہ بھی خیال رہے"۔

"ٹھیک ہے..... خیال رہے گا..... نام اور پتا نوٹ کر لیں اور فوراً آجائیں..... کیوں کہ بہت سنگین مسئلہ ہے"۔

"ان مسئلوں کو پتا نہیں کیا ہو گیا ہے..... جب دیکھو سنگین ہو جاتے ہیں..... خیر آپ لکھوائیں"۔

نام پتا لکھنے کے بعد شوکی نے کہا۔ "ہم آدھ گھنٹے تک پہنچ جائیں گے..... ساری بات سن کر معاوضہ طے کریں گے..... اوکے"۔

"اوکے" اس نے کہا۔

"شکریہ..... ہم آرہے ہیں" ان الفاظ کے ساتھ فون بند کر دیا گیا۔

پھر ٹھیک آدھے گھنٹے کے بعد دروازے کی گھنٹی بجی..... سلمان نے دوڑ کر دروازہ کھولا..... باہر شوکی برادرز کھڑے تھے۔

"آیئے..... تشریف لایئے..... آپ بالکل ٹھیک آدھے گھنٹے بعد پہنچ گئے..... اس پر ہمیں حیرت ہے"۔

"ہاں! ہمارے ملک میں یہ بات حیرت کی ہے لیکن یورپ میں یہ عین معمول کی بات ہے۔ خیر پہلے تو آپ ہمارے نصف معاوضے میں سے ایک سو روپے ٹیکسی والے کو دے دیں"۔

"اوہ..... اچھا..... آپ آئیں..... میں اندر سے لا کر انہیں دیتا ہوں"۔

"اچھی بات ہے" شوکی بولا۔

وہ انہیں ڈرائنگ روم میں لے آیا۔ سب لوگ پہلے ہی یہاں موجود تھے۔

"ابو!..... ایک سو روپے دے دیں..... ٹیکسی والے کو دینے ہیں..... یہ اپنے نصف معاوضے میں سے کٹوا دیں گے"۔

"ارے اچھا..... یہ لو بھئی" احسان میاں نے برا سا منہ بنایا۔

سلمان نے مسکرا کر نوٹ لیا اور باہر چلا گیا۔

"آپ نے سو روپے دیتے ہوئے برا سا منہ کیوں بنایا؟" شوکی نے ان سے بھی زیادہ برا منہ بنایا۔

"آپ کیسے جاسوس ہیں جو گھر سے چلتے وقت ٹیکسی کا بل بھی جیب میں نہیں رکھتے"۔

"گھر میں تھے نہیں، بنک میں صرف 70 روپے بیلنس ہے..... کیا کرتے؟" آفتاب نے فوراً کہا۔

"اوہ سوری..... آپ کے حالات تو پھر بہت پتلے ہیں" زوار خان نے انہیں حقارت زدہ نظروں سے دیکھا۔

"ہم انہیں گاڑھا کرنے کی کوشش نہیں کرتے" اشفاق کی آواز سنائی دی"۔

"کیا مطلب..... وہ کیسے؟" سردار حامد کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ابھی آپ دیکھ ہی لیں گے"۔

"کیا دیکھ لیں گے"۔

"یہ کہ ہم خود حالات کو گاڑھا نہیں ہونے دیتے" اخلاق مسکرایا۔

"آپ کی بات سمجھ میں نہیں آئی"۔

"آجائے گی..... پہلے آپ اپنا معاملہ بتائیں"۔

"اچھی بات ہے..... پہلے میں تعارف کراتا ہوں..... پھر ساری کہانی سناؤں گا"۔

"لیکن کوئی بات رہ نہ جائے، یہ خیال رہے"۔

"ان شاء اللہ..... نہیں رہے گی" احسان میاں بولے اور پھر انہوں نے شروع سے لے کر اب تک کی پوری کہانی سنا دی۔ یہاں تک کہ سونے کی انگوٹھی ملنے کی بات بھی بتا دی۔ ساری کہانی سن کر شوکی نے کہا۔

"اس کہانی میں ایک لاش بھی شامل ہو گئی..... لہٰذا پہلے تو آپ پولیس کو فون کریں"۔

"اس طرح تو پولیس زوار خان کو گرفتار کر لے گی..... ہم نے اسی خوف کی وجہ سے تو آپ کو بلایا ہے"۔

"جی نہیں" شوکی مسکرایا۔

"کیا جی نہیں" زوار خان جھلا اٹھا۔

"آپ میں غصہ کچھ زیادہ ہی ہے..... مہربانی فرما کر اس کو کم کریں اور ہم پر تو بالکل نہ جھاڑیں..... ہم آپ کے ملازم نہیں ہیں" شوکی کو بھی غصہ آ گیا۔

"اوہ سوری..... خیر..... آپ نے کیا کہا؟"

"پولیس انہیں گرفتار نہیں کرے گی..... اس لیے کہ یہ کیس قابل ضمانت ہے..... ان کی ضمانت ہو جائے گی..... کیوں کہ انہوں نے اپنی جان بچانے کے لیے وہ وار کیا تھا..... اور سچ بھی یہی ہے..... اگر ان کی کہانی جھوٹ پر مبنی نہیں تو وہ شخص دیگ کو نکالنے کے بعد انہیں ضرور ہلاک کر دیتا..... لہٰذا ان کا وار کرنا بالکل درست تھا۔ ان سے جو غلطی ہوئی وہ یہ ہے کہ اسی وقت انہیں پولیس کو فون کرنا چاہیے تھا اور وہ لاش اور دولت پولیس کے حوالے کر دیتے..... تو آج ان پر کوئی الزام نہ ہوتا اور نہ یہ سارا چکر اس وقت چلا ہوتا..... اب پولیس کو اعتراض تو یہ ہو گا کہ انہوں نے اس خزانے میں سے دولت لی..... اس سے کوٹھی بنائی، دوسری کوٹھی خریدی..... اور دوسرے اخراجات کرتے رہے..... تو یہ دونوں کوٹھیاں..... سرکاری خزانہ میں جمع کرا دیں گے تو امید ہے ان کی جان چھوٹ جائے گی اور یہ کافی سستے میں چھوٹ جائیں گے اس طرح..... کیا میں پولیس اسٹیشن فون کروں؟ کیوں کہ جب تک یہ معاملہ قانون کی نظر میں نہیں آئے گا..... ہم اس کو ہاتھ نہیں لگائیں گے"۔

"میرے خیال میں زوار خان..... یہ ان حالات میں معقول ترین تجویز ہے"۔

"ہوں ٹھیک ہے..... لیکن دیکھ لیں..... کہیں پولیس یہاں سے مجھے گرفتار کر کے نہ لے جائے؟"

"میرا خیال ہے..... ایسا نہیں ہو گا..... آپ فکر نہ کریں..... آپ کو پولیس اسٹیشن کون سا لگتا ہے"۔

"عالم ٹاؤن" زوار خان نے بتایا۔

"واہ..... پھر تو مزا آگیا..... وہاں آج کل ہمارے انسپکٹر کاشان لگے ہوئے ہیں۔ میں انہیں فون کرتا ہوں"۔

شوکی نے انسپکٹر کاشان کو فون کیا..... مختصر طور پر کچھ باتیں انہیں بتائیں..... پتا نوٹ کروایا اور فون بند کر دیا۔ جلد ہی انسپکٹر کاشان وہاں آگئے..... اب انہیں بھی سب حالات سنانا پڑے..... لیکن اب یہ کام شوکی نے کیا۔ آخر اس کے خاموش ہونے پر وہ بولے۔

"ٹھیک ہے..... میں ان کے خلاف رپورٹ درج کر لیتا ہوں اور ضمانت کے کاغذات پر ان کے دستخط لے لیتا ہوں۔ کل انہیں عدالت میں پیش کرایا جائے گا۔ مجسٹریٹ ضمانت لے لیں گے..... کیوں کہ اس وقت اصل مسئلہ ان لوگوں کا ہے جو بقیہ دولت نکال کر لے گئے ہیں..... پہلے ان کا سراغ لگایا جائے گا..... ان کی گرفتاری کے بعد عدالت میں مقدمہ پیش ہو گا۔ پھر عدالت جانے..... یہ جانیں..... ویسے اگر یہ عدالت کی مقرر کردہ رقم سرکاری خزانے میں جمع کرا دیں گے تو سزا سے بچ جائیں گے"۔

"چلیے ٹھیک ہے..... آپ کا شکریہ"۔

انسپکٹر کاشان نے رپورٹ لکھی، زوار خان کے دستخط لیے۔ بطور گواہ ان کے دستخط کرائے اور اٹھتے ہوئے بولے۔

"میں اب چلوں گا..... شوکی برادرز نے اگر یہ معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیا تو امید ہے..... وہ لوگ جلد دولت سمیت گرفتار ہو جائیں گے..... پھر مجھے بلا لیں"۔

"بہت بہت شکریہ جناب، آپ جیسے پولیس آفیسر اور بھی ہوں تو معاشرہ سدھر سکتا ہے" احسان میاں خوش ہو کر بولے۔

"اور آپ کے بچوں جیسے بچے اگر ہوں تو معاملات خوب صورتی سے طے ہو سکتے ہیں"۔ انسپکٹر کاشان نے مسکرا کر جواب دیا۔ باقی لوگ بھی مسکرا دیئے اور پھر وہ چلے گئے۔

"اب رہ گئے ہم..... تو سب سے پہلے ہم معاوضہ طے کریں گے..... یوں اب پولیس کے ہاتھ میں سے لے کر ہم اپنے طور پر اس پر کام کریں گے..... اگر اب آپ ہم سے یہ کام کرنا پسند نہ کرتے ہوں تو تب بھی ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا" شوکی نے کہا۔

"ہم آپ سے کام کرانا چاہتے ہیں"۔

"اوکے..... آپ آسانی سے اس کیس کا کتنا معاوضہ دے سکتے ہیں۔ واضح رہے ہمارا کام صرف اتنا ہی ہو گا کہ ان لوگوں تک پہنچ جائیں اور انہیں پولیس کے حوالے کر دیں..... اس دولت سمیت۔ ہم اس دولت کو آپ کے حوالے ہرگز نہیں کریں گے نہ خود اس میں سے کچھ لیں گے..... نہ کوئی ایسی سودے بازی کریں گے"

"ٹھیک ہے..... میں آپ کو اس کیس کے دس ہزار روپے دوں گا..... جو کہ نصف پانچ ابھی دے دیتا ہوں" یہ کہہ کر زوار خان نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔

"نہیں جناب ہم یہ کیس آپ کے لیے حل نہیں کریں گے" شوکی برادرز نے منہ بنایا۔

"کک..... کیا مطلب" وہ سب چونکے۔

"آپ کے پاس جو دولت ہے..... وہ وہی ہے جو اس ویگ سے نکالی گئی تھی۔ بھئی یہ حلال کی نہیں ہے لہٰذا آپ کے علاوہ اگر کوئی صاحب یہ کیس حل کرانا چاہیں تو ہم ان سے معاوضہ وصول کریں گے ورنہ یہاں سے چلے جائیں گے"۔

"اوہ..... اوہ" ان سب کے منہ سے نکلا۔ آخر احسان میاں بولے۔

"اچھی بات ہے..... یہ معاوضہ میں دوں گا..... پانچ ہزار میں ابھی ادا کر دیتا ہوں"۔

"جی..... جی نہیں....." شوکی نے انکار میں کہا۔

"کیا جی نہیں"۔

"یہ معاوضہ ہمیں منظور نہیں"۔

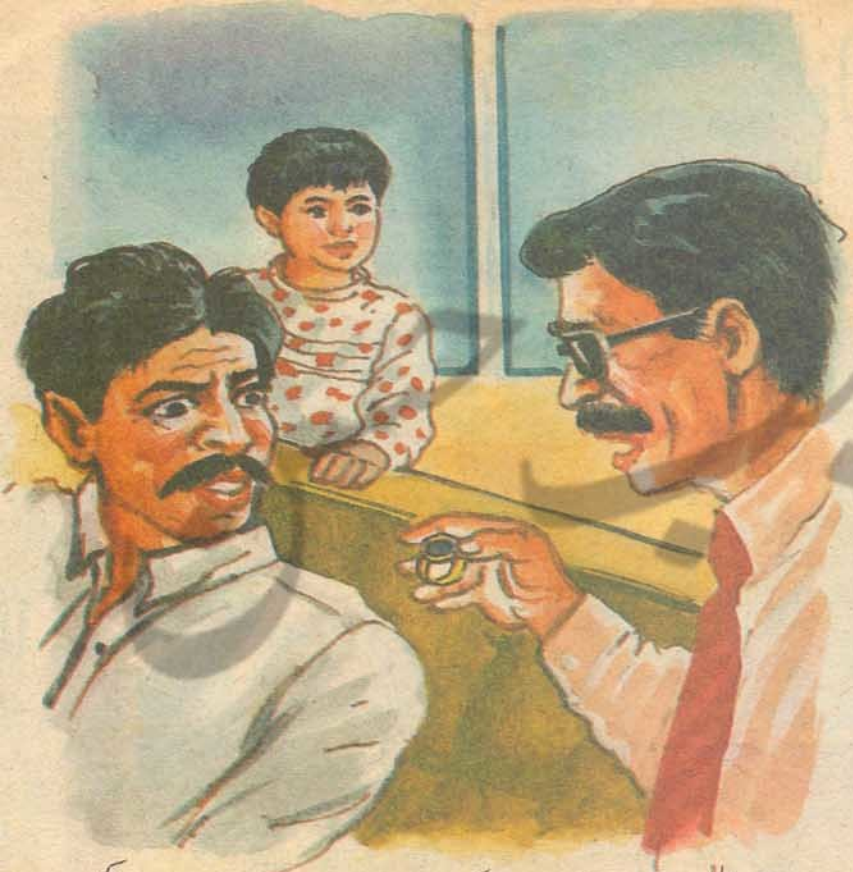

"تب پھر آپ کتنا چاہتے ہیں"۔

"صرف تین ہزار"۔

"کیا!" وہ حیرت زدہ رہ گئے۔

"ہاں جناب! اس کیس کا ہم زیادہ سے زیادہ تین ہزار لیں گے..... اس سے زیادہ ہرگز نہیں لیں گے"۔

"آپ کیا کہہ رہے ہیں" احسان میاں چلائے۔

"ہم نے پہلے بھی کہا تھا کہ ہم اپنے حالات خود ہی گاڑھے نہیں کرتے ورنہ اس وقت ہم زوار خان سے ایک لاکھ معاوضہ بھی لے سکتے تھے..... اگر ہم پولیس کے علم میں معاملہ نہ لانے کی بات کرتے"۔

"ارے ہاں واقعی ٹھیک کہا۔ میں تو آپ کو پانچ لاکھ دے دیتا" زوار خان نے بوکھلا کر کہا۔

"لیکن ہم حلال اور حرام کا بہت زیادہ خیال کرتے ہیں"۔

"اچھی بات ہے۔ یہ لیں پھر ڈیڑھ ہزار روپے"۔

"ڈیڑھ ہزار نہیں چودہ سو..... ٹیکسی والے سو روپے کاٹ لیں"۔

ان سب کے چہروں پر ایک بار پھر حیرت دوڑ گئی..... احسان میاں نے چودہ سو روپے گن کر انہیں دے دیے..... اس وقت شوکی نے کہا۔

"آپ پہلے تو مجھے وہ انگوٹھی دکھائیں"۔

زوار خان نے انگوٹھی جیب سے نکال کر شوکی کو دی..... شوکی چند لمحے تک اس کو الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا..... پھر سرسراتی آواز میں بولا۔ "یہ انگوٹھی سونے کی ضرور ہے مگر اس میں جو نگ لگا ہے وہ شیشے کا نہیں"۔

"کک..... کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"یہ ہیرے کا ہے۔ اصل ہیرا..... اور اس کی قیمت کم از کم تین لاکھ ضرور ہوگی"۔

"کیا!!!" وہ چلائے۔

"یہ انگوٹھی فی الحال ہمارے پاس رہے گی..... کیا آپ کو ہم پر اعتبار ہے..... اگر نہیں تو اس معاملہ کو بھی انسپکٹر کاشان کے علم میں لانا ہوگا اور ان کی اجازت سے ہم یہ اپنے پاس رکھیں گے"۔

"ہمیں کوئی اعتراض نہیں"۔

"انگوٹھی گرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس سے گری ہے..... اس کی انگلی میں ڈھیلی تھی..... اور یہ انگوٹھی اس کی اپنی نہیں ہے"۔

"کیا مطلب..... اس کی اپنی نہیں ہے"۔

"ہاں جن لوگوں سے آپ کی ملاقات ہوئی..... وہ ہندو ہرگز نہیں ہیں..... وہ چور ہیں یا ڈاکو..... یہ انگوٹھی کسی چوری یا ڈاکے میں ان کے ہاتھ لگی ہوگی..... ان میں سے جس کے حصے میں آئی اس کی کسی انگلی میں یہ فٹ نہ آسکی..... اس لیے اس نے ڈھیلی ہونے کے باوجود پہن لی"۔

"ارے اوہ" وہ اب دھک سے رہ گئے۔

عین اسی وقت انہوں نے بھاری قدموں کی آوازیں سنیں۔ وہ بری طرح اچھلے۔ انسپکٹر کاشان کے جانے کے بعد وہ دروازہ بند کرنا بھول گئے تھے۔ کھلے دروازے سے اندر داخل ہونے والے لمحہ لمحہ ان کے نزدیک آرہے تھے اور ان کے چہروں پر خوف ہی خوف چھا رہا تھا۔ (باقی آئندہ)

بلاعنوان

اس کارٹون کا اچھا سا عنوان تجویز کیجئے اور 500 روپے کی کتابیں لیجئے۔ عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 7 اکتوبر 2000ء

ستمبر 2000ء کے بلاعنوان کارٹون کے بے شمار عنوان موصول ہوئے۔ ان میں سے جج صاحبان کو مندرجہ ذیل 6 عنوان پسند آئے۔ جن ساتھیوں نے یہ عنوان تجویز کئے ان میں سے یہ 6 ساتھی بذریعہ قرعہ اندازی انعام کے حق دار قرار پائے۔

☆ فرحت نوشین 'ٹانک (ڈرومت نقلی ہے، پہلا انعام: 100 روپے کی کتابیں)

☆ واجد عثمان 'بنوں (جسم شیر کا 'دل گیدڑ کا 'دوسرا انعام: 95 روپے کی کتابیں)

☆ حافظ محمد علی ارشد 'سیال کوٹ (ارے ہم تو شیر دیکھنے آئے تھے 'تیسرا انعام: 90 روپے کی کتابیں)

☆ برہان الرحمان 'لاہور (یار ڈرتے کیوں ہو میں بھی تمہاری طرح نقلی ہوں 'چوتھا انعام: 80 روپے کی کتابیں)

☆ ریحان طاہر 'جھنگ صدر (ہائے چوہا تو ہے مگر پاؤں نہیں 'پانچواں انعام: 75 روپے کی کتابیں)

☆ اسفندیار ڈیرہ اسماعیل خان (منے کی شرارت 'شیر کے لیے آفت 'چھٹا انعام: 60 روپے کی کتابیں)

قسم قسم کے لذیذ اور خوش ذائقہ

پکوان

منوّر جہاں کا دسترخوان :	سستے اور پُرتکلّف کھانے پکانے کی عام فہم ترکیبیں۔	Rs. 39.00
دیس دیس کے پکوان :	ایشیا، افریقہ، یورپ، آسٹریلیا اور امریکا کے لذیذ پکوان۔	Rs. 30.00
صبیحہ کا دسترخوان :	کم فرصت خواتین کے لیے طرح طرح کے کھانے، پڈنگ، شربت، جام اور اچار۔	Rs. 39.00
چینی کھانے :	چینی کھانوں کے شائقین کے لیے لاجواب کتاب۔	Rs. 40.00
سبزیاں پکایئے :	سبزیاں پکانے کی ترکیبیں۔ یہ کتاب منوّر جہاں کے دسترخوان سے مُرتّب کی گئی ہے۔	Rs. 30.00
گوشت پکایئے، مچھلی پکایئے :	گوشت اور مچھلی کے ہر قسم کے پکوان۔ یہ کتاب بھی منوّر جہاں کے دسترخوان سے مُرتّب کی گئی ہے۔	Rs. 50.00
میٹھے پکوان :	حلوے، زردے، کھیر، سوّیاں، انگریزی پڈنگ اور دیسی مٹھائیاں بنانے کی آسان ترکیبیں۔	Rs. 50.00

فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

لاہور - راولپنڈی - کراچی

The Taleem-o-Tarbiat, Lahore
NO. CPL. 32 PAKISTAN'S MOST WIDELY READ URDU MAGAZINE FOR CHILDREN OF ALL AGES Price Rs. 15.00

FEROZSONS

Taleem-o-Tarbiat

Kids Show

now in Lahore

Tune
to
FM 101

be vocal

for prescription
111-62-62-62

send your
suggestions
to

every Sunday
from 12.00-12.30

coming to all other stations soon

Ferozsons Taleem-o-Tarbiat Kids Show
60 Shahrah-e-Quaid--Azam, Lahore, Pakistan
e-mail: support@ferozsons.com.pk